خمریاتِ صفی اورنگ آبادی



مرتّبہ:

محبوب علی خاں اخگر قادری

○ نام کتاب : خمریاتِ صفی اورنگ آبادی
○ صفحات : (۹۶)
○ مرتب : محبوب علی خاں اخگر
○ سن اشاعت : ۱۹۹۵ء
○ تعداد : (۵۰۰) پہلی بار
○ کتابت : محمد عبدالرؤف
○ کتابت ٹائیٹل : ریاحن خوشنویس
○ سرورق و اسکیچ آرٹ : ولی محمد صدیقی آرٹسٹ چھتہ بازار حیدرآباد (ART SPAN)
○ طباعت : دائرہ پریس چھتہ بازار۔ حیدرآباد
○ طباعت سرورق : رائل پرنٹرز جہاں مارکٹ۔
○ جلدبندی : حفیظیہ بک بائینڈنگ چھتہ بازار حیدرآباد
○ قیمت : Rs 40/- لائبریریز کیلئے Rs 80/- بیرونی ممالک کیلئے 10 ڈالر

ملنے کے پتے :

● ۱. حسامی بک ڈپو مچھلی کمان۔ حیدرآباد
● ۲. اسٹوڈنٹس بک ہاؤس چار کمان۔ حیدرآباد
● ۳. مکان مرتب : 2/17/262/19-3 "نصیب منشن" جہاں نما حیدرآباد۔۵۰۰۰۵۳
● کتب خانہ انجمن ترقی اردو ـــ اردو بازار۔ دہلی



حضرت صفیؔ اورنگ آبادیؒ

651

ترتیب

آلائشِ زمانہ سے خود کو بچا صفی
کتا بھی بیٹھتا ہے جگہ اپنی جھاڑ کے

سمجھ اور سوچ لیں آگے اس کا انجام ہے
ابتدا سے کام ہیں کیسے کس کا کام ہے

(صفی اورنگ آبادی)

انتساب

پرستارانِ صفی کے نام

محبوب علی خاں اخگر

حضرت صفی کے بارے میں

نام : حکیم محمد بہاء الدین، بہبود علی صفی اورنگ آبادی

ولدیت : حکیم محمد منیر الدین صدیقی

تاریخ پیدائش : ۲۵ رجب سنہ ۱۳۱۱ھ مقام پیدائش : اورنگ آباد سکونت مغلپورہ

اساتذہ صفی : شہزادہ ضیاء گورگانی ظہور دہلوی، عبدالولی فروغ، رضی الدین حسن کیفی

تاریخ وفات : ۱۵ رجب سنہ ۱۳۷۳ھ م ۲۱ مارچ سنہ ۱۹۵۴ء مقام انتقال دواخانہ عثمانیہ

تدفین : احاطہ درگاہ حضرت سردار بیگ آغاپورہ۔ حیدر آباد

صفی سے متعلق کتابیں : ۱. یادگارِ صفی سب رس صفی نمبر سنہ ۱۹۵۶ء مرتبہ ادارہ ادبیاتِ اردو

۲. انتخاب کلام صفی مرتبہ مبارز الدین رفعت سنہ ۱۹۶۳ء

۳. پراگندہ مجموعہ کلام سنہ ۱۹۶۵ء مرتبہ خواجہ شوق

۴. فردوس صفی سنہ ۱۹۶۸ء مرتبہ ابوالخلیل سید غوث یقین (پاکستان)

۵. گلزار صفی سنہ ۱۹۸۷ء مجموعہ کلام مرتبہ رؤف رحیم (ایم اے)

۶. سوانح عمری صفی اورنگ آبادی سنہ ۱۹۸۹ء مرتبہ محمد نور الدین خاں

۷. تلامذہ صفی اورنگ آبادی سنہ ۱۹۹۱ء مرتبہ محبوب علی خاں اخگر

۸. اصلاحاتِ صفی اورنگ آبادی سنہ ۱۹۹۳ء مرتبہ محبوب علی خاں اخگر

۹. خمریاتِ صفی اورنگ آبادی سنہ ۱۹۹۵ء مرتبہ محبوب علی خاں اخگر

حضرت صفی اورنگ آبادی کے اساتذہ کا شجرہ

دہلی

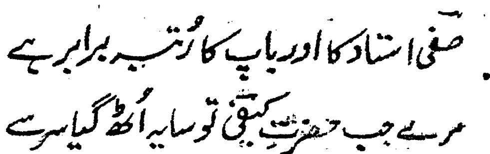
- درد
  - ↓ حافظ شتاق
  - ↓ فیض حیدرآبادی
  - ↓ یاس حیدرآبادی
  - ↓ کیفی زر
- سودا
  - ↓ قائم چاندپوری
  - ↓ قمرالدین منت
  - ↓ نظام الدین ممنون
- میر
  - محمد جان شاد
  - خواجہ عشرت لکھنو
  - ↓ نظام الدین ممنون

نظام الدین ممنون
↓ شاہ نصیر

- رسا
  - ↓ حیا
  - ↓ ضیاء محقق
  - ↓ صفی
- احمد جان شہید
  - ↓ شعلہ
  - ↓ لمعہ
  - ↓ فروغ
  - ↓ صفی
- مومن
  - ↓ حیا
  - ↓ ضیاء
  - ↓ صفی
- ذوق
  - میاں مخیر
    - ↓ علوی
    - ↓ نیکش
      - کیفی ↓ صفی
      - ظہور ↓ صفی
  - داغ
    - ضیا محقق ↓
    - زریغ ↓
    - سیفی ↓
    - صفی

لکھنؤ

- ↓ مصحفی
- ↓ آتش
- ↓ قلق
- ↓ جلال
- ↓ شہزادہ ضیاء محقق
- ↓ صفی


صفی استاد کا اور باپ کا رتبہ برابر ہے
عرصے جب حضرت کیفی تو سایہ اُٹھ گیا سر سے

پروفیسر یعقوب عمر
(نظام کالج)

خمریات
(عربی، فارسی اور اردو شاعری میں)

غزل عبارت ہے شراب و شباب کے ذکر سے، اور اسی بناء پر ہزاروں سال سے عاشق طبع شاعر رندی و سرمستی کا مظاہرہ کرتے چلے آئے ہیں۔ ایشیائی شاعری میں خمریات کا موضوع نہایت قدیم زمانے سے موجود ہے۔ محققین سنسکرت جیسی ہزاروں سال پرانی زبان اور اس سے بھی قدیم زبانوں میں اس قسم کی شاعری کا احاطہ کر سکتے ہیں مگر ہم عربی سے اس کا آغاز کرتے ہیں۔
عربی شاعری میں سب سے پہلے شراب کا ذکر چھٹی صدی عیسوی میں الحیرہ کے عیسائی شاعر عبادی کے یہاں ملتا ہے۔ اس کے بعد عدی ابن زید (متوفی ۵۸۷ء) کے یہاں اس قسم کی شاعری نظر آتی ہے۔ چنانچہ عدی کی خمریاتی شاعری نے اموی شہزادے ولید بن یزید[1] اور اس کے ہم خیال معاصرین کے لیے نمونۂ سرمشق کا کام دیا۔ ابونواس نے اسے اوجِ کمال پر پہنچا دیا۔ ابونواس کا کلام اولین ایرانی شعراء کے مطالعے میں رہا کرتا تھا اس لیے فارسی شعراء نے اکثر اس کے مضامین شراب باندھے ہیں۔ حنظلہ۔ عمارہ مروزی۔ رودکی۔ دقیقی۔ منوچہری اور عراقی بھی نے ابونواس کے خمریاتی موضوعات سے استفادہ کیا ہے[2]۔

---

[1] یزید بن معاویہ بھی خمریاتی شاعری کرتا تھا اس کا ایک مصرعہ ہے ؎ ادِر کاساً و ناوِلہا الا یا ایّہا الساقی
جسے حافظ نے اپنی پہلی غزل میں تضمین کیا ہے ؎
الا یا ایّہا الساقی اَدِر کاساً و ناوِلہا ؛ کہ عشق آساں نمود اوّل ولی افتاد مشکل ہا

ہم یہاں ایک ایسی مثال پیش کرتے ہیں جس کے متعلق عمر محمد داؤد پوتا کا خیال ہے کہ یہ مضمون فارسی سے عربی میں گیا اور پھر دوبارہ فارسی میں آیا۔[۲]

بدیع الھمدانی (متوفی ۳۹۸ھ ۱۰۰۷ء) کہتا ہے

شعر شربنا واھرقنا علی الارض جرعۃ ؛ وللارض من کاس الکرام نصیب

(ترجمہ: ہم نے شراب نوشی کے درمیان ایک قطرہ زمین پہ چھلکا دیا کیوں کہ فیاض لوگوں کے جام میں زمین کا بھی حصہ ہوتا ہے)۔

منوچہری۔ عمر خیام۔ عراقی۔ حافظ اور جامی سبھی نے یہ مضمون باندھا ہے۔

حافظ ؎ اگر شراب خوری جرعۂ فشان بر خاک ؛ ازاں گناہ کہ نفعی رسد بہ غیر چہ باک

جامی ؎ ز فیض جام تو جامی ہمیشہ جرعہ کش است ؛ بلی نصیب بود خاک را ز کاسِ کرام

اردو شعراء کے ہاں بھی یہ مضمون ملتا ہے۔

مرگئے پہ بھی تعلق ہے یہ میخانے سے ؛ میرے حصّے کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے

ایک عربی شاعر جو حضرت سعد بن ابی وقاص رض کی قیادت میں جنگ قادسیہ میں شریک تھا کہتا ہے[۳]۔ ؎ (ترجمہ: جب میں مرجاؤں تو مجھے انگور کی بیلوں کے پاس دفن کرنا تاکہ اس کی جڑوں سے میری پیاسی ہڈیاں سیراب ہوسکیں)۔

منوچہری کہتا ہے ؎ از دانۂ انگور بسازید حنوطم ؛ وز برگ رز سبز ردائی کفن من

عمر خیام کہتا ہے ؎ چون درگزرم بہ مے بشوئید مرا ؛ وز چوب رزم تختۂ تابوت کنید

؎ ہم کہیں آتے ہیں زاہد ترے بہکانے میں ؛ اسی میخانے کی مٹی اسی میخانے میں (جگر)

حاصل گفتگو یہ کہ عربی میں ابو نواس اور فارسی میں خیام و حافظ اس موضوع سخن میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ اردو شاعری نے آنکھیں کھولتے ہی حافظ و خیام کے چرچے سنے اور ست د

۲ے تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو The Influence of Arabic Poetry upon Persian poetry by Omer Mohammad Daoodpota باب پنجم

۳ے ایضاً۔ ملاحظہ ہو تاریخ اسلام میں جنگ قادسیہ

بیخود ہوگئی۔ وہ شاعر جنہیں انگور کی بیٹی کا حقیقی ذوق تھا رندی و سرمستی سے سرشار شعر کہنے لگے پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ ذکر شراب اور مضامین مستی تقلیدی حیثیت اختیار کرگئے حقیقی بیخودی کی جگہ روایتی سرور وکیف کا مظاہرہ ہونے لگا۔

شراب۔ ساقی۔ رند۔ پیرمغاں۔ جام و رندی و سرمستی خمریاتی شاعری کے عناصر ترکیبی تھے۔ واعظ و پیر مغاں کا موازنہ اتنا ہی ضروری تھا جتنا شیخ و زاہد کی پگڑی اچھالنے کا عمل۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔؎

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دایم است ؛ ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ھست وگاہ نیست

تری مسجد میں واعظ خاص ہیں اوقات رحمت کے ؛ ہمارے میکدے میں رات دن رحمت برستی ہے

فارسی شاعری سے یہ مضامین سفر کرتے ہوئے سرزمین اردو میں بھی داخل ہوگئے

جس طرح فارسی شاعری کے آغاز میں صوفیانہ شاعری کا دور دورہ تھا اسی طرح اردو میں بھی عشق حقیقی کے موضوعات نظم ہوتے رہے! اس فلسفے میں شراب انگوری کا وجود تو نہ تھا مگر بادۂ عرفان کے خُم کے خُم لنڈھائے جاتے تھے۔ عشق حقیقی کی شراب نے خمریاتی اصطلاحوں کو اچھوتے مفہوم عطا کردیئے۔ شراب سے عرفان۔ ساقی سے ساقئ روز ازل اور پیر مغاں سے پیر طریقت یا مرشد کامل کے معنی لیے جاتے تھے۔ شیخ و زاہد کا مضحکہ اس لیے اُڑایا جاتا تھا کہ وہ ظاہر کو اہمیت دیتے تھے اور باطن کو نظر انداز کردیتے تھے۔ خود شیخ و زاہد کا کردار بھی اسی دہری شخصیت کا شکار ہوکر رہ گیا تھا جس کی عکاسی حافظ یوں کرتے ہیں ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند ؛ چون بہ خلوت می روند آن کار دیگر می کنند

اردو شاعری میں قدماء کے دور تغزل میں تو تصوف اصلی رنگ پر رہا لیکن جب رندی اور ہوسناکی کا دور شروع ہوا تو یہ موضوع کاغذی پھول بن کر رہ گیا۔ غالب نے تو انگور کی بیٹی کو منہ لگا رکھا تھا لہٰذا ان کے یہاں یہ موضوع سخن جوش مستی سے بھرپور ہے۔ متاخرین میں داغ اور ریاض نے اس میں کافی شہرت حاصل کی۔

تصوف کی ابتداء سے پہلے فارسی شاعری میں جس شراب کا ذکر ملتا ہے وہ یہی بنت

عنب ہے ایک قدیم فارسی شاعر حلیلۃ کہتا ہے[1]

زان بادۂ صافی کہن گشتہ بخوردند ؛ زان بادہ کہ مانندۂ جان شد در تن
وان بادہ همی رفت درایشان بلطیفی ؛ چونانکہ در انگشت رود آتش روشن

(مفہوم۔ شراب اتنی لطافت سے سارے جسم میں سرایت کرتی ہے جس طرح روشن آگ کوئلوں میں) غالب اس مضمون کو یوں بیان کرتا ہے۔ ؎

جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا ؛ سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہوگئیں

عطار۔ رومی۔ حافظ اور جامی نے اسے شرابِ حقیقت بنادیا۔ البتہ حافظ کے بعض اشعار خالص مئے دو آتشہ کی چغلی کھاتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں ؛ کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

رومی۔ عراقی اور جامی کی شراب خالص بادۂ عرفان ہے۔ رومی کہتے ہیں۔ ؎

یک دست جام بادہ و یک دست زلف یار ؛ رقص چنین بمیان گلستانم آرزوست

عراقی کہتے ہیں ؎ نخستین بادہ کاندر جام کردند ؛ ز چشم مست ساقی وام کردند

عہد صفوی میں تصوف کی جگہ رندی اور ہوسناکی آگئی۔ اس کی ابتداء فغانی سے ہوتی ہے۔

فغانی ؎ ساقی مدام بادہ باندازہ می دہد ؛ این بیخودی گناہ دل زود مست ماست
" ؎ اے کہ می پرسی چرا جامی بہ جانی میخری ؛ این سخن با ساقی ما گو کہ ارزان کردہ است

اردو میں متقدمین کے بعد یہی انداز ملتا ہے۔ ؎

آج دل میں ہے کہ کھل کر مے پرستی کیجئے ؛ خوب سی مے پیجئے اور دیر مستی کیجئے (قائم)
سحر ہے رات بیتی مے ہے شیشے میں وہی باقی ؛ ادر کاساً و ناولہا الا یا ایہا الساقی (قائم)
فیض ساقی سے ہے میخانے میں طوفان شراب ؛ موج ہے بادہ کش تا بہ گلو آئی ہے (غالب)

---

[1] یہ مضمون بھی عربی سے آیا ہے ملاحظہ ہو Influence of Arabic poetry upon Persian poetry مؤلف۔ عمر محمد داؤد پوتا باب پنجم

پلادے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے ÷ پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے (غالب)
اس کے باوجود اردو میں کوئی شاعر ایسا پیدا نہیں ہوا جو حافظ و خیام کی طرح اس موضوع کو مخصوص کر لیتا۔
خمریات کے سلسلے میں جب بے اعتدالی بڑھی تو مذہب بھی اس کی زد میں آگیا مسجد میں میخانوں کے مقابلے میں حقیر ہوگئیں۔ میر کہتے ہیں ؎

جائے میخانہ ہی ہے مسجد ÷ کبھی گھورے کے بھی دن پھرتے ہیں (میر)
زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں ÷ کیا ڈیڑھ چلّو پانی میں ایمان بہہ گیا (ذوق)
جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید ÷ مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو (غالب)
رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم ÷ دھوتے دھبّے جامۂ احرام کے (غالب)

صرف اس ایک موضوع پر فارسی شاعری سے جو فیضان حاصل کیا گیا اس کا اندازہ کرنے کے لیے ذیل میں حافظ و عرفی کے علاوہ اردو شعراء کے ہم مضمون اشعار کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

حافظ ؎ ترسم کہ صرفہ نبرد روز بازخواست نانِ حلالِ شیخ ز آبِ حرامِ ما	بُرائی ہے رندوں میں بھی شیخ لیکن کہاں یہ بُرائی کہاں وہ بُرائی	حالی
" خانہ بے تشویش و ساقی یار و مطرب بذلہ گو موسمِ عیش است و دورِ ساغر و عہدِ شباب	مے اور کنج باغ ہو، ساقی ہو ماہوش اور واں مخل نہ ہو کوئی باعث حجاب کا	
" برو بکار خود اے واعظ این چہ فریاد است مرا فتاد دل از کف ترا چہ افتاد است	رند خراب حال کو واعظ نہ چھیڑ تو تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو	شاہ نصیر
" روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخواست مے بہ میخانہ بجوش آمد و می باید خواست	ساقیا عید ہے لا بادے سے مینا بھر کے کہ پیاسے ہیں مے آشام مہینہ بھر کے	ذوق
" منعم از مے مکن اے صوفیٔ صافی کہ حکیم در ازل طینت مارا ز مئے صاف سرشت	کچھ آج میں نے نئی پی ہے حضرت واعظ ازل کا مست پرانا شرابخوار ہوں میں	(امیر)

؎ ساقی کچھ آج کمی سے نہیں رند بادہ کش ÷ اس خاک کا خمیر ہوا ہے شراب میں

حافظ۔ گر پیر مغاں مرشد ما شد چہ تفاوت
در ہیچ سری نیست کہ سرّی ز خدا نیست }
شور ہو حق ہے یہاں بڑھکے وہاں سے زاہد
اپنی مسجد کو لڑا لے مرے میخانے سے

؎ بیا و بادہ بخور زانکہ پیر میکدہ دوش ÷ بسی حدیث غفور الرحیم و رحماں گفت

رحمت سے ہوگئے تری میخوار جنتی ÷ سارے گناہ دھو دیئے جام شراب نے

عوض نہ لے مرے جُرم و گناہ بیحد کا ÷ الٰہی تجھکو غفور الرحیم کہتے ہیں (امیر)

حافظ۔ ابر آذاری برآمد باد نوروزی وزید
دور مے میخواہم و مطرب کہ میگوید رسید }
غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روز ابر و شب ماہتاب میں (غالب)

" از شرم در حجابم ساقی تلطفی کن
باشد کہ بوسہ چند بر آن دہان تواں زد }
ہم سے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑینگے رکھ کر عذر مستی ایک دن (")

" ساقی ار بادہ ازیں دست بجام اندازد
عارفاں را ہمہ در شرب مدام اندازد }
اپنے ہاتھوں سے جو دو بھر کے انھیں جام شراب
شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو

زاہد خام طمع بر سر انکار بماند
پختہ گردد چو نظر بر مے و جام اندازد }
ناتجربہ کاری سے واعظ کی ہیں یہ باتیں
اس رنگ کو کیا جانے پوچھو تو کبھی پی ہے

؎ لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد ÷ ہائے کم بخت تونے پی ہی نہیں (داغ)

حافظ ز زہد خشک ملولم بیار بادۂ ناب
کہ بوی بادہ دماغم مدام تر دارد }
زاہد شہر کہ ہے سوختہ طبعی میں مثال
خشک ہے اُس کو غریق یم صہبا کر دیں

اشارہ زاہدان خشک سے ہے دختر رز کا ÷ ولی بنئے مرید حضرت پیر مغاں ہو کر

عرفی ؎ تسبیح زہد خوش بود امّا درین دو روز
جوش گلست و شیشہ و پیمانہ خوشتر ست }
جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی (غالب)

عرفی از توبہ زمی کرد نماند محجوب
" ؎ توبۂ رند خرابات شکست آباد است }
جام مے توبہ شکن توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے (ریاض)

خمریاتِ صفی

عرفی ے آنکہ دوش و دست از سجادہ و تسبیح داشت
جام مے برکف بروں آمد سبو بر دوش گشت
وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضر
اب کیا بتاؤں شب وہ مجھے کیس

" یارب تو نگہدار دل خلوتیاں را
کاں مغ بچہ مست و در صومعہ باز ست
الٰہی خیر ہو ان ناہدان پاک طین
در مسجد کھلا ہے اور ساقی مس

" کے لازم است بادہ کشیدن ز جام زر
مقصود اگر مے است قصور سفال چیست
اور لے آئیں گے بازار سے گر
جام جم سے یہ مرا جام سفال

" مقیم کعبہ کہ عیب شرابخانہ کند
بدیں بہانہ حدیث مئے مغانہ کند
ہجو مے نے تری اے شیخ بھر
تُو تو مسجد میں ہے نیت تری

جناب شیخ نہیں ہیں خلاف دخترِ رز ؎ یہ اس بہانے سے ذکر

عرفی ے کلید میکدہ ہا را بمن دہید کہ من
نہ آن کسم کہ بہ اندازہ مست میگردم
مست جام شراب خاک
غرق جام شراب ہونا

" ہزار شیشہ تہی گشت و تنگ حوصلگاں
ہنوز بی خبر از تہہ پیالہ می دوشند
کہتے ہوئے ساقی سے حیا آ
یوں ہے کہ مجھے دُردِ تہہ جام

" صوفی نشستہ بی ذوق آری کجا بود فیض
در خلوتی کہ آنجا بنت العنب نباشد
مسجد میں معتکف ہیں بیکار
دو روزہ زندگی ہے آؤ پیئیں

" خُم بہ جوش آمد بگو چون توبہ اکنون نشکند
توبہ ای کز بی شرابی کردہ ام چوں نشکند
جام جب گل فروش ہو
کس کو توبہ کا ہوش ہو

" فصل گل است و شکر نسیم بہار فرض
مے در پیالہ واجب و گل در کنار فرض
گل بھی ہیں، مے بھی ہے، ہم
آؤ آغاز دورِ جام کرو

نہ شکیب توبہ از مے نہ ادب زمان مستی
عرفی ے کہ بہ چین زلف ساقی نہ کنم دراز دستی

غالب ے ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایکدن ؎ ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر ع

ں کہتے ہیں ؎

ے دانم کہ ہر گز مست وی گردد کسی ؛ سر ز ستی بر نیارد تا بہ محشر با مداد

ں کہتے ہیں ؎

ابی تری آنکھوں کا نہ چونکے تا حشر ؛ کوئی اس طرح سے ہوش رُبا دیتا ہے

ے سے دریا کا اور دانے سے خرمن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کئی ہزار موضوعات

ایک موضوع کی اس قدر تقلید کی گئی تو دوسرے موضوعات کی کیا تقلید نہ

غرض اردو شاعری کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو فارسی کے پرتو سے روشن نہ ہو

ہے ؎

یار من از این سست وفا می آید ؛ گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم

ہی مضمون بیان کرتے ہیں ؎

ت چشم اُس کی مجھے یاد ہے سودا ؛ ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

شاعری نے اگرچہ ابتداء سے ہی یہ رنگ اختیار کر لیا تھا لیکن ولی کے زمانے

خ و زاہد سے زیادہ چھیڑ خانی نہیں کی تھی۔ میر و سودا سے بے اعتدالی شروع ہوئی

بوں تک جا پہونچی۔ ناسخ و آتش کے زمانے میں گو دشنام طرازی کم ہو گئی مگر بے اعتدالی

خرین نے بھی اسی روش کو برقرار رکھا۔ ریاض خیرآبادی نے اس میں بہت جوش و

یہی وجہ ہے کہ وہ اور خمریات لازم و ملزوم ہو کر رہ گئے۔

سے لیکر آتش تک بحیثیت مجموعی شراب کے مضامین سے وہی شراب معرفت مراد

و جامی کے میکدے میں ملتی ہے یعنی ؎

مزا مرشد کے میخانے میں ہے ؛ دونوں عالم کی حقیقت ایک پیمانے میں ہے

ہو وے دامان پاک زاہد ؛ جب دست نازنیں میں جام شراب ہووے (درد)

خ ہماری نہ جائیو ؛ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں (درد)

اور میر کا زمانہ ایک ہے مگر درد شراب حقیقی اور میر شراب مجازی کے

شیخ جی آؤ مصلّیٰ گروِ جام کرو ÷ جنسِ تقویٰ کے تئیں صرفِ مئے و جام کرو
سایۂ گل میں لبِ جو پہ گلابی رکھو ÷ ہاتھ میں جام کو لو آپ کو بدنام کرو
آہ تا چند رہو خانقہ و مسجد میں ÷ ایک تو صبح گلستاں میں بھی شام کرو

میر کے بعد بھی یہ موضوع مسلسل نظم ہوتا رہا۔ کسی دور کی شاعری اس سے خالی نہیں رہی۔
انشاء جیسا درباری شاعر بھی برف کے ساتھ صراحی مے طلب کرتا ہے۔ ہ

لگا کے برف میں ساقی صراحیِ مے لا ÷ جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا

انشاء کے بعد لکھنؤ میں اس قسم کی شاعری بے اعتدالی کا شکار ہوگئی۔ عشقِ حقیقی اور شرابِ مجازی، دونوں موضوعات روایتی اور تقلیدی جامہ پہن کر بے کیف ہو گئے۔ بقول آلِ احمد سرور
غالب کے مضامین شراب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جس طرح فارسی میں عمر خیام اور عربی میں ابو نواس کی خمریات مشہور ہیں اسی طرح اردو میں غالب کی۔ اگرچہ غالب کا یہ دعویٰ ہے کہ مشاہدۂ حق کی گفتگو میں بادہ و ساغر کی اصطلاحوں کے بغیر کام نہیں چلتا مگر ان کی شراب صاف صاف شراب پرتگالی ہے۔[۱] ہ

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے ÷ رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پہ ہوس ÷ چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے
ثابت ہوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق ÷ لرزے ہے موجِ مے تری رفتار دیکھ کر (غالب)
جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا ÷ ہاتھ کی جتنی لکیریں تھیں رگِ جاں ہو گئیں
میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں! ÷ گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

یہ رنگ غالب کے ہاں سب سے نمایاں ہے۔ ان کے بعد داغ نے بھی اسے جلا دی لیکن داغ کے یہاں طنز اور چھیڑ چھاڑ زیادہ ہے۔

ہ زاہد کو ایک قطرۂ زمزم پہ ناز ہے ÷ یاں خُم کے خُم اڑاتے ہیں پیرِ مغاں کے ساتھ
میخانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ ÷ ہر ایک پوچھتا ہے کہ حضرت اِدھر کہاں!

---

[۱] تنقیدی اشارے از آلِ احمد سرور

ع روح کس مست کی پیاسی گئی میخانے سے ؛ مے اُڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے
ع لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد ؛ ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں
زاہد شراب ناب کی تاثیر کچھ نہ پوچھ ؛ اکسیر ہے جو حلق کے نیچے اُتر گئی

امیر مینائی کے ہاں یہ مضامین تقلیدی ہیں ایک شعر خوب نکالا ہے ع

انگوریں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں ؛ یہ جب سے کھنچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے (امیر)

ان کے شاگرد ریاض خیرآبادی نے خمریات میں خاص طور پر کمال حاصل کیا ہے۔ لوگ ان کی پاکیزگی اور طہارت نفس کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے تادم آخر چکھی تک نہیں لیکن خدا لگتی بات تو یہ ہے کہ ان کے بعض شعر اس کے برخلاف گواہی دیتے ہیں۔ اُن کے کچھ اشعار تو اتنے پُر جوش ہیں کہ حافظ و خیام کے معیار تک جا پہونچتے ہیں۔ ع

جہاں ہم خشت خم رکھدیں بنائے کعبہ پڑتی ہے ؛ جہاں ساغر پٹک دیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

بتکدے سے میکدہ اچھا مرا ؛ توبہ سے ہماری بوتل اچھی!
بیخودی اچھی خودی اچھی نہیں ؛ جب ٹوٹی ہے جام ہو گئی ہے

ع اُٹھے کبھی گھبرا کے تو میخانے کو ہو آئے ؛ پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یاد خدا میں
ع یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے فروشاں ؛ سُن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا
ع محفل وعظ تو تادیر رہے گی زاہد ؛ یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں
ع وہ بھی بخشے گئے ہم بادہ کشوں کے ہمراہ ؛ آج جنت میں ہمیں ناصح مغفور ملے
ع کیسے یہ بادہ خوار ہیں سُن سُن کے پی گئے ؛ واعظ کو کچھ مزہ نہ کسی نے چکھا دیا
ع یہ چھلکتا ہوا کیا جام شراب آتا ہے ؛ اے میں قربان مرا عہد شباب آتا ہے
ع شرر طور ہے جو موج ہے پیمانے میں ؛ بجلیاں کوندتی ہیں آج تو میخانے میں
یہ سربمہر بوتلیں جو ہیں شراب کی ؛ راتیں ہیں ان میں بند ہمارے شباب کی
انھیں میخانوں میں ہیں پیر مغاں ایک سے ایک ؛ کعبہ دیں ہے کوئی قبلۂ ایماں کوئی
توبہ لب پہ وعظ سے بے اختیار آنے کو تھی ؛ وہ تو کہئے بچ گئے فصل بہار آنے کو تھی
کس غضب کی ہوا میں مستی ہے ؛ کہیں برسی ہے آسمان سے آج

کمر سیدھی کرنے ذرا میکدہ میں ؛ عصا ٹیکتے کیا ریاض آرہے ہیں

جس دن سے حرام ہو گئی ہے ؛ مے خُلد مقام ہو گئی ہے

کچھ زہر نہ تھی شراب انگور ؛ کیا چیز حرام ہو گئی ہے

جس طرح کسی زمانے میں خمریاتی اصطلاحات کو بروئے کار لاتے ہوئے عرفانی شاعری کے موضوعات کامیابی سے نظم کیئے گئے، اسی طرح جدید اردو شاعری میں سیاسی، سماجی اور انقلابی موضوعات بھی ان اصطلاحات کو بروئے کار لاتے ہوئے کامیابی سے نظم کئے گئے۔ شاد عظیم آبادی کہتے ہیں ؎

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی ؛ جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

اقبال سہیل نے انگریزی سیاست کے گھناؤنے کردار کا مضمون یوں ادا کیا ہے۔

وہ چشم فتنہ گر ہے ساقیٔ میخانہ برسوں سے ؛ کہ باہم لڑ رہے ہیں شیشہ و پیمانہ برسوں سے

چکبست نے سیاسی موضوعات یوں باندھے ہیں۔ ؎

ایک ساغر بھی عنایت نہ ہوا یاد رہے ؛ ساقیا جاتے ہیں محفل تری آباد رہے

علامہ اقبال نے اس مضمون کو زمین سے آسمان تک پہونچا دیا ہے۔ ان کی لے بھی نئی، مطرب بھی نیا اور ساقی بھی نیا ہے۔ ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے ؛ مزا تو جب ہے کہ گرتے کو تھام لے ساقی

وہ بادہ کش جو پرانے تھے اُٹھتے جاتے ہیں ؛ کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی

کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری

سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی

جگر مرادآبادی کی خمریات کا جوش ہمارے سامنے روح حافظ کو مجسم کر دیتا ہے حافظ کہتا ہے:

؎ درین زمانہ رفیقی کہ خالی از خلل است ؛ صراحیٔ مئے ناب و سفینۂ غزل است

جگر کہتے ہیں ؎ فروغ حسن لوائے سرو طرف چمن ؛ شراب عشق و لب جوئبار کیا کہنا

؎ جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے ؛ مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

؎ مست جام شراب خاک ہوئے ؛ غرق جام شراب ہونا تھا

؎ رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں انھیں ہوش نہیں ؛ میکدہ دوست ہوں میں میکدہ بردوش نہیں

؎ سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے میخانے میں ؛ خلد شیشے میں ہے فردوس ہے پیمانے میں
؎ [illegible] ہے عمر ابد عشق کے میخانے میں ؛ اے اجل تو بھی سما جا مرے پیمانے میں

کہیں کہیں وہ سماجی اور سیاسی موضوع بھی خمریاتی اصطلاحوں میں ادا کر جاتے ہیں۔

- میخانہ ہے اُسی کا یہ دنیا اُسی کی ہے ؛ جس تشنہ لب کے ہاتھ میں جام شراب ہے
- مشورے ہوتے ہیں جو شیخ و برہمن میں جگر ؛ رند سُن لیتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

صفی اورنگ آبادی کی خمریات میں لطف زبان موجود ہے۔ اُن کی شراب بادۂ عرفان نہیں خالص "لال پری" ہے۔ ان کے خمریاتی موضوع روایتی ضرور ہیں مگر صفی کا اپنا رنگ لیے ہوئے وہ ان اصطلاحوں کے ذریعہ نہ سماجی موضوعات قلم بند کرتے ہیں نہ سیاسی۔ اور دکن کی مخصوص فضا میں انقلابی مضامین کا تو کوئی موقعہ ہی نہیں تھا۔ ہاں ان کی غزلیات میں محاورہ بندی کا جو رُجحان ملتا ہے وہ خمریاتی اشعار میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو ے

پائے ساقی پہ نہ گر کر ہوا بدنام صفی ؛ ہائے نادان کہاں جھوک سنبھالا اپنا
جام نہ ہو تو میکشو عیش نہ بدمزہ کرو ؛ "دستِ خود دہانِ خود" اوک سے پی لیا کرو
بھلا پیر مغاں خیرات میں کیوں بے رُخی اتنی ؛ یہ کیا آدھی زمیں پر اور آدھی میرے چلّو میں
تجھ سے شکوہ نہ شکایت نہ گلہ ہے ساقی ؛ جام ٹوٹا نہیں پھوٹا ہے مقدر اپنا
یاد ہیں وہ رنگ جب ساغر اُٹھایا ہاتھ میں ؛ ابر رحمت بن گئے میرے لیے گیسوئے دوست
ہر نظر ہوتی ہے ہر پیر مغاں ؛ رنگتا ہے تو مجھ کو ایسا رنگ
کیفیت مے سے ہے کیوں بے خبری اتنی ؛ اے شیخ نہ پی، چکھ لے تھوڑی سی ذرا سی اتنی
وہ جلوہ اور طور مقدر سیاہ کے ؛ کیسی شراب کس کو پلا دی چھپا کر کے
اب کہاں ساقی فقط ساقی کی ہے اک یادگار ؛ دل نہیں پہلو میں اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ہے
شیخ صاحب کو کہیں کم نہ سمجھنا ساقی ؛ کل سے میخانے کے دروازے کو زنجیر ہے

کتابیات :

اس مقالے کی تیاری میں حسبِ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا :

(۱). آب حیات ـــــ محمد حسین آزاد
(۲). شعرالہند
(۳). "INFLUENCE OF ARABIC POETRY UPON PERSIAN POETRY"
(۴). شعرالعجم ـــــ شبلی نعمانی
(۵). دیوان عرفی
(۶). دیوان حافظ
(۷). تنقیدی اشارے ـــــ آل احمد سرور
(۸) رسالہ نگار ـــــ ریاض خیرآبادی نمبر ۴۳ ۱۹ء
(۹). خمریات صفی ـــــ مرتبہ محبوب علی خاں اخگر

تمہارے شعر پڑھ کر جی بہلتا ہے ہزاروں کا
صفیؔ صاحب خدا زندہ رکھے تم کو قیامت تک

ہند میں ہے مرے اشعار کی تعریف صفیؔ
واہ وا ہیں تو وطن میں ہوں مقدر باہر

ڈاکٹر محمد علی اثر
ریڈر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ

دکنی اُردو میں خمریہ شاعری

خمریہ شاعری سے مُراد وہ شاعری ہے، جس میں شراب اور اُس کے متعلقات جیسے میخانہ۔ساقی۔رند۔پیر مغاں۔جام۔صراحی۔مستی و بے خودی وغیرہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ عربی اور فارسی میں بھی یہ موضوع کافی مقبول رہا ہے چنانچہ عربی میں ابو نواس اور فارسی میں خیام اور حافظ نے خمریاتی شاعری کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا۔ فارسی شاعری کے اتباع اور اثر پذیری کی وجہ سے اردو شاعری کا دامن، ہر زمانے میں خمریات سے مالا مال رہا ہے اور شاعروں کے نزدیک یہ موضوع دلچسپی اور کشش کا باعث رہا ہے۔

خمریہ شاعری کے سلسلہ میں یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ خمریات میں جس شراب کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے وہ لازماً افشردہ انگور نہیں ہوتی بلکہ شرابِ معرفت بھی ہو سکتی ہے۔ چوں کہ صوفی شاعروں نے مشاہدۂ حق کی گفتگو بھی بادہ و ساغر کے پردے میں کرنے کی کوشش کی ہے اس لیے ان کے نزدیک شراب سے مُراد بادۂ عرفانِ الٰہی ساقی سے خمستانِ ازل کا ساقی۔ پیر مغاں سے مرشدِ کامل۔ ساغر سے دل اور میکدہ سے پیر طریقت کی خانقاہ ہے۔ چند شعر دیکھئے ؎

اُٹھتے کبھی گھبرا کے تو میخانے کو ہو آئے ⁂ پی آئے تو پھر بیٹھ گئے یادِ خدا میں (زریاقی)

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو ⁂ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں (درد)

اللہ اللہ کیا نزا مرشد کے میخانے میں ہے ⁂ دونوں عالم کی حقیقت ایک پیمانے میں ہے

شراب اور اس کے متعلقات سے شعراء نے نہ صرف بھٹی کی شراب اور بادۂ معرفت کے تجربات اور مشاہدات کی عکاسی کی ہے بلکہ سماجی، سیاسی اور انقلابی موضوعات کی ترجمانی کے سلسلہ میں بھی خمریہ شاعری کی اصطلاحوں سے کام لیا ہے۔ ؎

یہ مئے خانہ ہے جام جم نہیں ہے ؛ یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے (علامہ)

ایک ساغر بھی عنایت نہ ہوا یاد رہے ؛ ساقیا جاتے ہیں محفل تری آباد رہے (چکبست)

یہ بزمِ مئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے (شاد عظیم آبادی)

شرابِ لاکے گرانا تو سب کو آتا ہے ؛ مزا تو جب ہے کہ گرتے کو تھام لے ساقی (اقبال)

جہاں تک اردو میں خمریہ شاعری کا تعلق ہے، اس کے اولین نمونے دکنی ادب میں ملتے ہیں اور پھر بعد کے زمانے میں جن شاعروں نے اس موضوع پر بطور خاص دادِ سخن دی ہے ان میں مرزا غالب۔ ریاض خیر آبادی۔ جگر مراد آبادی۔ عبدالمجید علامہ۔ ساغر۔ جوش اور صفی اورنگ آبادی کے نام اہمیت رکھتے ہیں۔

یوں تو جوش ملیح آبادی، خمریاتی شاعری کے حوالے سے اپنے آپ کو حافظ و خیام کہتے ہیں[1]۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ریاض خیر آبادی اُردو خمریات کے بادشاہ ہیں اور بقول محمد سبحان اللہ ان کے کلام میں ایک ہزار تین سو چھیاسٹھ اشعار خمریہ مضامین سے متعلق ہیں[2]۔

جہاں تک دکنی ادب میں خمریات کا تعلق ہے موجودہ معلومات کی روشنی میں قطب شاہی عہد کا شاعر سید محمود اردو کا قدیم ترین شاعر ہے جس کے کلام میں شراب اور اس کے متعلقات کا تذکرہ ملتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "دیوانِ حسن شوقی" کے مقدمہ میں محمود کی ایک غزل اور "تاریخ ادب اردو" (جلد اول) میں اس کی غزلوں کے چیدہ چیدہ اشعار درج کیے ہیں جن میں سے درج ذیل خمریات سے متعلق ہیں ؎

شیخ دیں ہم سشرباں ہیں لیک ہنگام بہار ؛ وہ چھپیا پیوے شراب ہور ہیں پیدا شراب

جیو جدھاں ہمراہ ہوئے باغ سوں بہتر دشت ہے ؛ یہاں بھرے بھر بھر پیالے وہاں بھر مینا شراب

خلق تے رنداں منیں محمود نیناں کھول دیکھ ؛ جیو شراب ہے دل شراب سر شراب ہے پا شراب

---

[1] ادب کر اس خراباتی کا جس کو جوش کہتے ہیں ؛ کہ وہ اپنی صدی کا حافظ و خیام ہے ساقی

[2] حفیظ صدیقی۔ کشافِ تنقیدی اصطلاحات۔ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ص ۷۳۔

قطب شاہی عہد کے دوسرے شاعروں میں محمود کے بعد سلطان محمد قلی قطب شاہ (۱۵۸۰ء تا ۱۶۱۱ء) دوسرا شاعر ہے جس کے کلام میں خمریات کے وافر نمونے ملتے ہیں۔ محمد قلی اردو کا پہلا صاحب دیوان اور قادر الکلام شاعر ہے جس نے پچاس ہزار اشعار اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ محمد قلی ہی نے اردو میں خمریاتی شاعری کی طرف باقاعدہ توجہ کی ہے۔ وہ شباب اور شراب کا رسیا تھا۔ آئے دن اس کے محلوں میں رقص و سرور کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں، جن میں ساغر و جام کے دور چلتے اور مطرب بادشاہِ وقت کی غزلیں سازوں پر پیش کر کے انعام و اکرام حاصل کرتے تھے۔ محمد قلی ایک حقیقت پسند شاعر تھا اس نے اپنی نجی زندگی کی ساری تفصیلات اپنے کلام میں بے کم و کاست بیان کی ہیں جس میں اس کی عیش کوشی اور شغل مے نوشی بھی شامل ہے

سکی آج پیالہ انند کا پلا ہنج ؛ دو یاقوت اَدھراں کی مستی دلا ہنج

اسے نہیں ہے سورج چاند پیالے کی پرواہ ؛ تمہارے ہونٹ اچھیں گے جسے بجائے قدح

سرمستی و سرشاری اور کیف و مستی کے علاوہ محمد قلی کی خمریات کی ایک اور نمایاں خصوصیت نغمگی و موسیقیت بھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی بیشتر غزلیں ساز اور آواز کا جادو جگانے کے لیے لکھی ہیں ؎

ساقیا آ شراب ناب کہاں ؛ چند کے پیالے میں آفتاب کہاں

مد کے پیالیاں کا دَور چلتا ہے ؛ نقل مد کا کہاں کباب کہاں

او کنول مکھ میں نیر ہے سنپور ؛ اس کے انگے تنک شراب کہاں

محمد قلی نے بعض مسلسل اور مربوط غزلوں میں "شراب" اور "ساقی" کے الفاظ کو ردیف کے طور پر استعمال کر کے خمریاتی شاعری سے اپنی والہانہ دلچسپی کا اظہار کیا ہے ؎

صباحی او مکھ دیکھ پینا شراب ؛ فرح بخش ساعت میں لینا شراب

ترے حسن تھے دان دے شاہ کوں ؛ او مکھ کے عرق تھے سو پینا شراب

تری نین مستی تھے ہو روں رول چڑی ؛ پیت سے بھر یا دل کا لینا شراب

عشق ساز کے تار مطرب بجاو ؛ کر قانونِ تاناں میں لینا شراب

ازل تھے نبیؐ حُب قطب پیو تا ؛ ترے پیالے سوں ساقی دینا شراب

مئے لعلی تھے مکھ زردی ہمارا دور کر ساقی ؛ مجالس زہرہ رقاصی سوں توں پرنور کر ساقی
جکوئی ہے عشق میں ثابت سدا ہے جیوتا اس کا ؛ سو اس کے ناد سوں میخانہ سب معمور کر ساقی
نہ جالوں روز محشر کیوں چھپیگا جاب یریش ہنج ؛ کر ہئے خواراں منے اب تو ہیں مشہور کر ساقی

محمد قلی فارسی شاعری سے بیحد متاثر تھا اس نے خواجہ حافظ کا اثر بھی قبول کیا وہ حافظ شیرازی کا پہلا مترجم بھی ہے۔ بقول ڈاکٹر زور "محمد قلی کی شاعری پر سب سے زیادہ حافظ کا رنگ مسلط ہے۔ اس نے سینکڑوں غزلیں اسی رنگ میں لکھیں اور حافظ کی پچاسوں غزلوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ اور یہ ترجمہ نہایت کامیاب سمجھا جا سکتا ہے"۔ خمریات کے موضوع پر حافظ کے چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

آنکس کہ بدست جام دارد	جو کوئی کہ ہتیل جام لیا
سلطانی جم مدام دارد	سلطانی جم مدام لیا
آبی کہ خضر حیات ازدیافت	پانی کہ خضر حیات پایا
در میکدہ جوکہ جام دارد	مد گھر تھے تنک سو جام لیا
گل بے رخ یار خوش نباشد	پھول بن رُخ یار خوش نہ دیسے
بے بادہ بہار خوش نباشد	بن مد پھلی بہار خوش نہ دیسے
طرف چمن و طواف بستاں	گشت چمن و ہوائے کلیاں
بے لالہ عذار خوش نباشد	بن پیالہ کنار خوش نہ دیسے

سخن درست بگو تو انم دید	درست بات کتا ہوں نہ جل سے مجہ تے دیکھیا
کہ میخور ند حریفاں دمن نظارہ کنم	شراب پیوے حریفاں وئیں نظارہ کروں
گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں	شراب خانہ کا مکیں ہوں دیکھ مستی میں
کہ ناز بر فلک و حکم برستارہ کنم	کہ لاڑ انبر پہ کروں حکم تل سو تارہ کروں

چرا کہ نیست رہ رسم لقمہ پرہیزی ؛ جو منج میں نیں ہیں پرہیزگاری کے کاماں
چرا مذمت رندِ شراب خوار رہ کنم ؛ شراب خور کوں اہانت سوں کیوں اشارکروں

محمد قلی نے اپنی محبوباؤں کو مخاطب کر کے جو نظمیں لکھی ہیں ان میں بھی خمریاتی شاعری کی جھلک موجود ہے ؎

پیالا لیو مرے اچھے لالا ؛ کہ او پیالا ہے سورج تھے نرولا (لالا)
نت پیوے علی کے صدقے حاتم ؛ قطبیا کے ادھر سے ہئے پیالا (حاتم)

محمد قلی کی خمریاتی شاعری صرف غزل اور نظم کی ہئیت تک محدود نہیں بلکہ رباعی کے فارم میں بھی یہ اپنی بہار اور رنگارنگی دکھاتی ہے۔ محمد قلی کے دیوان میں ایک سے زاید ایسی رباعیاں موجود ہیں جن میں شراب اور اس کے متعلقات کا تذکرہ ملتا ہے۔

ہستی کے ملک میں ہے جہاں بانی منجے ؛ خوباں کوں دیکھن میں ہے مسلمانی منجے
خمار کا خمخانہ اہے ٹھاول مرا ؛ ہر مد کا سو بُند نگین سُلیمانی منجے

درج ذیل رباعی کے مطالعہ سے عمر خیام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

ہے پُھل کا ہنگام مدسوں یاراں حاضر ؛ پھولاں کے تمن سارے ہیں یاراں حاضر
اس وقت میں کیوں توبہ کیا جاے منجے ؛ توبہ شکناں ہور نگاراں حاضر

محمد قلی کے علاوہ قطب شاہی عہد کے دیگر شاعروں میں جنھوں نے خمریات کو موضوعِ سخن بنایا ہے، ان میں عبداللہ قطب شاہ اور ملک الشعرا ملا غواصی کے نام اہمیت رکھتے ہیں۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۶۲۴ء تا ۱۶۷۶ء) مملکت گولکنڈہ کا پانچواں حکمراں تھا اس کا مکمل دیوان ہنوز دریافت نہیں ہوا۔ موجودہ صورت میں اس کا مطبوعہ دیوان مرتبہ سید محمد ۱۱۸ صفحات پر مشتمل ہے جس میں صرف ردیف "ث" تک ۹۷ غزلیں اور ایک مرثیہ شامل ہے۔

محمد قلی قطب شاہ کی طرح عبداللہ قطب شاہ کی غزلوں میں بھی محبوب کے حُسن و جمال رفتار و گفتار لب و رخسار اور چشم و ابرو کی تعریف و توصیف بھی ملتی ہے اور خمریاتی شاعری کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔ اپنے نانا کی طرح اس نے بھی شراب کی تعریف میں

متعدد شعر کہے ہیں ؎

ہوا کا وقت ہے خوش اس ہوا میں ؛ صراحی ہور پیالے سات گمنا

مستانے سب گئے ہیں میخانے آج گھر گھر ؛ مد پینے کی رضا کی جی تھے ہے چاند بالا

ہوا مد پینے کا آیا ہے پیارے ؛ توں مد پینے کوں کرنا اُتا لا

خبر دے جا کوں ساقی کہ دور آیا ہے پھر جم کا ؛ صراحی ہات میانے لے لانگن میں چاند ہو جھمکا

عبداللہ قطب شاہ کی خمریات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے کلام میں ایک سے زائد قوافی کے اہتمام کی وجہ سے لفظوں کی جھنکار اور نغمگی اور موسیقیت کا احساس نمایاں ہو جاتا ہے ؎

پیالے پیالے پیالے لو پینا ؛ دنیا میں دنیا میں یہی کچھ ہے جینا

امنگ سوں آج اے ساقی دے پیالے بھر بئے باقی ؛ کہ گزری حد تھے مشتاقی ترت کر عیش کا چارا

بسنت کے تہوار کے موقع پر بھی شغل مئے نوشی بادشاہ وقت کی خوشیوں کو دو بالا کرنے کا کام انجام دیتی ہے ؎

بسنت آیا کھلایا پھول لالا ؛ سکھی لیا اب صراحی ہور پیالا

لا صراحی کو پیالے سوں گلے ؛ سرخوشی کا کام فرمایا بسنت

عبداللہ قطب شاہ کا ملک الشعرا غواصی بھی خمریاتی شاعری کا دلدادہ تھا۔ اس کے کلام میں شراب و میخانہ۔ صراحی و پیالہ اور ساقی و خرابات کا بار بار تذکرہ ملتا ہے۔ چند شعر دیکھئے ؎

پلا مد مست اے ساقی کہ مج عادت ہے پینے کا ؛ ہو سرخوش دو دیکھ دم تھے کردں گا رنگ سینے کا

خراباتی ہوں یک ساقی پلا پیالا بنجے ہئے کا ؛ نہ تھوڑا پیالہ دے بھر بھر کہ سنج رات ہے لے کا

دنیا ہے رہ گزر معشوق سوں خوش بیس پیالے پی
کہ ہوتا ہے کدورت دور پیالے دوئی پینے میں

ملک الشعراء غواصی کو قدیم خمریاتی شاعری میں اس لیے بھی امتیاز حاصل ہے کہ اس نے "پیالہ" کی ردیف میں ایک ایسی مسلسل غزل لکھی ہے، جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دکنی شاعری میں "ساقی نامہ" کی طرح "پیالہ" بھی ایک صنف سخن تھی۔ غواصی کا بیان ہے کہ اس کے پیش رو اور ہم عصر متعدد شاعروں نے اس صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ غواصی کا "پیالہ" ملاحظہ کیجئے ؎

پیا کے مست ادھر کی مد کی پایا جب خبر پیالا
پرت والیاں کوں شکرانے کی بانٹیا تب شکر پیالا

صراحی گردن اونچی کر اس سوں آئے خدمت میں
کیا اپنی محبت ہور کرم کا جیوں نظر پیالا

طلب پیالے پہ دھر پیتے ہیں پیالا اس سبب شاہاں
جو رازاں عین باطن کے کتا ہے کھول کر پیالا

جو کوئی عاشق ہو پیالا پیو نے جانیا یقیں جالو
اسے ہرگز نہ کر سکے کدھیں کوں بے خبر پیالا

مری ہستی منے بستی سو مستی کد نہ ہوے خالی
کرم کر ساقی کوثر دیتے ہیں منجکوں بھر پیالا

اگرچہ شاعراں بولے ہیں پیالے خوب خوب امّا
غواصی کا پیالا سب کے پیالاں میں امر پیالا (غواصی)

قطب شاہی عہد میں محمد قلی، عبداللہ قطب شاہ اور غواصی کے یہاں خمریاتی شاعری کا مسلسل اور مربوط ارتقا ملتا ہے! اس کی ایک وجہ غالباً یہ ہوسکتی ہے کہ ان شعرا نے "لال پری" کو منہ لگا رکھا تھا جس کی وجہ سے ان کے خمریہ اشعار میں رندی و سرمستی کے ساتھ ساتھ ہوسناکی، خوبرویوں سے چھیڑ چھاڑ اور جذبات کی جولانیوں کی تصویرکشی بھی ملتی ہے۔ اس عہد کے دوسرے شعرا کے یہاں شراب اور اس کے متعلقات کی ترجمانی خال خال ہی نظر آتی ہے۔ چند شعر دیکھئے ؎

جد ہاں تے مئے پرستی سو ہوا رنداں کے مذہب میں
تد ہاں تے ناؤں بھاتا نئیں سنجے ہرگز نمازی کا (سالک)

دائم شراب شوق کوں پی کر متا اچھوں
پاتال چھپے سو کھول کے نت بولتا اچھوں (میراں جی خدانما)

ترے ہات میں شاہ جم جام اچھو ؛ ہمیشہ بغل میں دل آرام اچھو (طبعی)

جہاں تک عادل شاہی دور میں خمریات نگاری کا تعلق ہے اس عہد میں قطب شاہی دور کی طرح خمریہ شاعری کا مربوط اور مسلسل ارتقا نہیں ملتا نصرتی، حسن شوقی، شاہی، ہاشمی شاہ سلطان اور شغلی جیسے صاحب دیوان شاعروں کے ہاں بھی شراب اور اس کے لوازمات کا تذکرہ ضمنی طور پر صرف اکّا دکّا اشعار ہی میں ملتا ہے سوائے شاہ معظم کے بیجاپور کے کسی بھی شاعر نے خمریات کو باضابطہ موضوعِ سخن نہیں بنایا۔ شاہ معظم کے تذکرہ سے قبل اس عہد کے دوسرے شاعروں کے خمریاتی اشعار ملاحظہ کیجیے۔ ؎

سرمست نصرتی سوں چل سکسی نہ تجہ حریفی
خوباں کی انجمن کا ہے اور رند لا ابالی (نصرتی)

ہوئی مست تجہ نین تے جم عاشقاں کے تن
جس مئے بھرا تجہ کرشمہ ہوئے سو اثر نکو

مجے دیدار ساقی کا ہوا تو وو ہی دسے عالم
سکندر کا وو درپن لے کر دل کیا جام لے جم کا
(ہاشمی)

تب تے شراب کوں میں لولیا پلیٹ پانی
جا کھا ہوں پاک جب تے اے دھن ترا ادھر مست
(ہاشمی)

تج ادھر ہے شوق سوں جا کیا سو متوالا ہوا!
آزاد مستاں ہوئے کر چھپ سوں نروالا ہوا!
(سلطان)

تج حسن کا دیپک جنے دیکھا سو پروانہ ہوا
تیرے ادھر کا مے جنے جا کیا سو دلوانہ ہوا
(شغلی)

تجہ وجہ کی مے تاب تھے ناتاب لیا بیتاب تھا
تجہ بچن آواز تے بے ہوش تھے دانا ہوا
(؍؍)

جیسا کہ اس سے پہلے کہا گیا ہے، شاہ محمد حسینی متعظم عادل شاہی دور کا ایک ایسا قادر الکلام شاعر ہے، جس کے کلام میں خمریات کے وافر نمونے ملتے ہیں۔ اس نے بادۂ وجام اور ساقی و میخانہ کی تعریف میں متعدد شعر کہے ہیں ۔ معظم ملک الشعراء نصرتی اور ہاشمی بیجاپوری کا ہم عصر شاعر ہے۔ اس نے متعدد غزلوں میں خمریاتی مضامین باندھے ہیں بعض غزلیں تو ابتدا سے آخر تک اسی موضوع کا احاطہ کرتی ہیں ۔

مجھے دلبر کے لب تھے نت پینا جم جام خوش لگتا
بچھڑنا مجھ کو بھاتا نیں وصل آرام خوش لگتا

ایمان دے کیتے ہیں کہنہ شراب لینا
دو چار جام پی کر دار و خمار کرنا

لے ساقیٔ مہرباں تجھ سے عرض ہے یک پیالے کا
کدھیں ہوتا تو بہتر تھا نقل تجھ لب رسالے کا

مشرق طرف صبح کا دِستا ہے دیکھ اُجالا ؛ ساقی منگا تو بگی وہ نقل ہور پیالا
آبِ حیات کہتے دلبر کسے ہیے اُدھر میں ؛ او جام تجھ ملائیں کبھی تو پیا سو کسیا
جنت منے کہاں ہے یہ جام ارغوانی ؛ خالص شراب لاکر تجھ ہات سے پلانا
صراحی ہے سے پُر کر کر لیا تھا ہات میں اپنے ؛ مجھے بھی مست کرنے کو نشہ ہر شار آیا تھا
مجھ کو اس دنیا منے کیا خوب مے خانہ دِسیا ؛ روشن منور بے بدل نادر سو خمخانہ دِسیا
جب سے پیا ہوں جام میں اس مست کے دیدار کا ؛ تب سے دیکھو دِستا مجھے سب شہر اور بازار مست
کچھ کیف کی پئے سے ہوتے ہیں مست لیکن ؛ اس مست کے چلے سے ہوتا کلال مست
مل یار سے پیا ہئے باقی حیات ہے لگ ؛ پیا بھی اور پلانا ساقی یہ سات ہے لگ
ہات سوں ساقی کے جم جس کو میسر ہے جام ؛ دولتِ عظمیٰ کہتے عیش ہے اس کو مدام

مندرجہ بالا اشعار میں معظم نے شراب انگور کی تعریف اور اس سے رونما ہونے والے جذبات واحساسات کی ترجمانی کی ہے لیکن اس کے خمریہ اشعار صرف محض شراب مجازی کے عکاس و ترجمان نہیں بلکہ بادۂ عرفان سے بھی لبریز ہیں۔ وہ حضرت قادر لنگا کونا کا معتقد اور مرید تھا اور اپنی غزل کے کم و بیش ہر مقطعے میں اپنے مرشد کا نام لینا ضروری سمجھتا ہے۔ معظم کی شراب حقیقی کے چند مرقعے ملاحظہ ہوں ے

پلا مجھ دور پھر ساغر لے حضرت ساقیٔ کوثر ؛ معظم عرض کرتا ہے پیالے اور تولے کا
جس کیف کے پیئے سے روشن ضمیر ہوتا ؛ پیدا کہتے ہیں اول جم کا او جام بینیا
قادر سے مل معظم اکثر یہ ہئے پیا ہے ؛ ہوتے ہیں مست سن کر اولیٔ و قالم مست
ساقی ہے تو ہمارا دے جام بھر لبالب ؛ سرمست کر دکھا مجھ سرشار یا محمد
قادر ہوا ہے ساقی ڈرتا ہے کیوں معظم ؛ قاضی امیر سے ظاہر کیا بے حجاب لے لے
قادر الیے ہوا ہے ساقی ترا معظم ؛ پھر یار کوئی پلانے بلانا کتے ہیں غلط
پینے میں نا ہلاں سب کیوں نئیں پیا معظم ؛ قادر ہوا ہے ساقی اور گل عذار خوشتر

معظم نے اپنے خمریاتی کلام میں نہ صرف شراب مجازی اور بادۂ عرفان کے مضامین اور نکات پیش کئے ہیں بلکہ انھیں اردو کا پہلا "ساقی نامہ" لکھنے کا اعزاز بھی حاصل ہے[1]۔ ساقی نامہ اگرچہ ساقی و شاہد، مئے و مینا، نغمہ و مطرب اور کیف و مستی کے مضامین سے عبارت ہے۔ لیکن اس میں کبھی کبھی تصوف و حکمت، دُنیا کی ناپائیداری اور غم روزگار کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے۔ ایک عرصہ تک محمدؐ فقیہہ دردمند کے ساقی نامے کو اُردو کا پہلا ساقی نامہ سمجھا جاتا تھا لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں اردو کا پہلا "ساقی نامہ" لکھنے کا سہرا شاہ معظم کے سر ہے۔ ڈاکٹر حسینی شاہد معظم کے ساقی نامے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"معظم کے ساقی نامے کا موضوع بظاہر مئے و نغمے کا مجازی موضوع معلوم ہوتا ہے لیکن پوری مثنوی بار بار پڑھ جایئے اس کے باوجود یہ تصفیہ کرنا مشکل ہوگا کہ شاعر کے فکر و فن کو قوت محرکہ حقیقت سے مل رہی ہے یا مجاز سے تاہم معظم کے یہاں یہ چیز کھٹکتی نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ مجاز و حقیقت کے تار حریر دو رنگ سے اپنی نظم کا تانا بانا تیار کرنے کا خاص سلیقہ رکھتے ہیں[2]۔"

معظم نے موضوع کے اعتبار سے اپنے "ساقی نامہ" کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں شیشہ و ساغر اور سرمستی و سرشاری کے مضامین شاعرانہ حسن کے ساتھ پیش کئے ہیں جب کہ اس کا دوسرا حصہ مطرب و نغمہ یا ساز اور آواز سے پیدا ہونے والی سرور و نشاط کی کیفیت کا عکاس ہے۔ "ساقی نامہ" کے آغاز میں خدا، حضور اکرمؐ اور حضرت علی کی ساقی گری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

الٰہی توں ساقی ازل سوں مدام ؛ پلاتا ہے توں جام سب کو تمام
ہمارا ہے ساقی خُدا کا رسول ؛ مناجات میرا کرے گا قبول

---

[1] ڈاکٹر حسینی شاہد۔ شاہ معظم۔ ص ۱۹۰ [2] ڈاکٹر حسینی شاہد۔ شاہ معظم صفحہ ۹۵

نبی کا سو نائب علی ہیں کہتے ؛ اور بر حق خدا کا ولی ہیں کہتے
اِسی سوبخ محشر میں مجھ کام ہے ؛ اسی سوبخ دنیا میں آرام ہے

ساقی حقیقی سے تخاطب کے بعد پھر مغظم شراب کی التجا اس انداز سے کرتے ہیں جیسے یہ شراب انگور ہے اور لطف یہ ہے کہ وہ رات کے گزر جانے کے اندیشے کا اظہار بھی کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ طلوع آفتاب سے پہلے جس قدر پی سکتے ہوں پی لیں۔[۲]

قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنت کے زوال کے بعد اردو شعر و ادب کی سرگرمیاں گولکنڈہ اور بیجاپور سے اورنگ آباد منتقل ہو گئیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اورنگ آباد علم و ادب اور شعر و سخن کے ایک اہم مرکز کی حیثیت سے سرزمین دکن پر اُبھر آیا۔

ولی اور سراج اورنگ آباد کے شاعروں میں آفتاب و ماہتاب کی حیثیت رکھتے ہیں یہی وہ قدآور اور باکمال سخنور ہیں جن کے ساتھ ایک طرف دکنی شاعری کی عظیم روایات اختتام کو پہنچتی ہیں تو دوسری طرف ان شاعروں نے قدیم اردو شاعری کی روایت کا تسلسل شمالی ہند کی شاعری سے ملانے کی بیش بہا خدمت انجام دی۔ جہاں تک اس دور کی خمریہ شاعری کا تعلق ہے، دیوان ولی میں شراب اور اس کے لوازمات کے بارے میں اشعار کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ سراج (۱۷۱۵ء تا ۱۷۶۳ء) نے خمریات کو باقاعدہ موضوع سخن بنایا ہے۔ سراج کی شاعری کا ایک اہم موضوع تصوف ہے۔ عشق میں ان کی از خود رفتگی مجاز اور حقیقت کی حدوں کو ایک کر دیتی ہے اور محبت کا دائرہ وسیع ہو کر کائنات کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ وہ حضرت شاہ عبدالرحمن چشتی کے مرید تھے اکثر و بیشتر ان کے اُوپر جذب و مستی کی کیفیت سی طاری ہو جایا کرتی تھی بے خودی کے عالم میں اپنے گھر سے نکل کھڑے ہوتے، رات دن صحرا نوردی کرتے اور اپنا زیادہ تر وقت حضرت برہان الدین غریب کے آستانے پر گزارتے تھے۔ سراج کی شاعری میں ایک طرف بادۂ حقیقت کا رنگ دکھائی دیتا ہے تو دوسری طرف افشردۂ انگور کی جھلک نظر آتی ہے۔

---

[۲] ایضاً صفحہ ۸۸

اردو شاعری میں تصوف کی روایت بہت عام ہے۔ متعدد شاعروں نے مسائلِ تصوف سے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ اردو غزل گو شاعروں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو سینکڑوں شاعر ایسے مل جاتے ہیں جنھیں تصوف سے عملاً کوئی تعلق نہیں اسی وجہ سے ان کے کلام میں تصوف کے مسائل خشکی پیدا کرنے والے مسائل بن جاتے ہیں اس کے برخلاف سراج کے کلام میں روحانی کیفیات اپنے پورے حسن و جمال کے ساتھ نمایاں ہیں۔ انہوں نے مسائل تصوف کو سادہ اور موثر انداز اور عشقیہ لب و لہجہ میں پیش کیا ہے ؎

شراب معرفت پی کر جو کوئی مجذوب ہوتا ہے	در و دیوار اس کوں مظہر محبوب ہوتا ہے
جام مئے الست میں بے خود ہوں اے سراج	دورِ شراب و شیشہ پر مل سیں کیا غرض
شراب نورِ جلالی سیں بس کہ ہے لبریز	سراج چرخ میں ہے آفتاب کا شیشہ
اے ساقی دل آگاہ کر درد سری فارغ	مخمور ہوں عطا کر جام ازل کی ہستی

اردو کے صوفی شاعروں میں سراج کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صاحب دل صوفیوں کی صحبت میں بسر کیا تھا اور ان کے کلام میں روحانی تجربات کی حرارت بھی ملتی ہے لیکن ساڑھے تین ہزار اشعار پر مشتمل ان کے ضخیم کلیات میں سو دو سو اشعار کو چھوڑ کر تصورِ عشق خالص مادی اور مجازی ہے یہی حال ان کی خمریات کا بھی ہے جن میں شراب انگور کا کیف اور مستی "بادۂ عرفان" کی سرشاری کے مقابلے میں زیادہ نظر آتی ہے۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

پی کر شراب شوق کوں بے ہوش ہو بے ہوش ہو
جیوں غنچہ لب کوں بند کر خاموش ہو خاموش ہو

پلا کر جام اپنی چشم کی گردش سیں پے در پے
کیا ساقی نے مجھ کوں بے خبر آہستہ آہستہ

بہاراں ساقی ہے بزمِ گلشن، ہیں مطربانِ چمن شرابی
پیالہ گل، سروِ سبز شیشہ شراب بو اور کلی گلابی

مئے نوش محبت نہ کرے منت مینا
تجھ لب کی لطافت لبِ ساغر کوں کہاں ہے

جس کوں ہے ذوق مئے ساغرِ مدہوشی کا
ہے اسے شغل تری چشم سیں مئے نوشی کا

ارے شرابِ خرد کے کیفی نہ کر توں دعویٔ پختہ مغزی
مئے محبت کا جام پی توں کہ اب تلک ظرف خام ہے گا

مثالِ شیشہ کروں کیوں نہ سجدہ ساقی کوں
شراب شوق ستی جام دل کیا لبریز

سراج نے اپنے بعض خمریہ اشعار میں ناصح، زاہد اور شیخ کی ظاہرداری اور ریاکاری کی طرف طنزیہ انداز میں اشارے بھی کئے ہیں چند شعر دیکھئے ؎

اگر مسجد میں اے زاہد وو مست نیم خواب آوے
ترے ہر دانۂ تسبیح میں بوئے شراب آوے

اس ادب گاہ کوں تو مسجد جامع مت بوجھ
شیخ بے باک نہ جا گوشۂ میخانے میں

ترے سخن میں اے ناصح نہیں ہے کیفیت!
زبان قلقل مینا سیں سن کلام شراب

پری کی مجلس میں تجھ کوں زاہد ہنوز پروانگی نہیں ہے
مئے محبت کوں نوش کرتوں کہ اب تلک مجھ کوں خام دستا

سراج کو شیشہ و جام، مئے و مینا اور اس کے متعلقات سے فطری لگاؤ تھا جس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے متعدد غزلوں کی ردیف "شراب" باندھی ہے۔ مثال کے طور پر ایک غزل کا مطلع اور مقطع ملاحظہ ہوئے

ہوا ہے خطِ جبیں جس کو خطِ جامِ شراب
نگین دل پہ کیا نقش اس نے نامِ شراب

ہے عکس چہرہ خورشید رو پیالے میں
سراج جلوہ نما ہے مئے تمام شراب

وہ جلوہ اور طور مقدر پہاڑ کے
کیسی شراب کس کو پلادی پچھاڑ کے (صفی)

انہیں معلوم ہو گا حال جو تھا رات بھر میرا
نہیں کچھ کالے کوسوں پر یہ گھر ان کا یہ گھر میرا
(صفی)

تیری مژگاں کے تصور نے جگایا رات بھر
ہم تو سنتے تھے کہ کانٹوں پر بھی آجاتی ہے نیند
(صفی)

محمد نورالدین خاں

اظہارِ رائے

جناب محبوب علی خاں اخگر کو جس نے دیکھا اور سمجھا وہ اعتراف کرے گا کہ ان کی شخصیت سراپا سرگرمِ عمل ہے۔ جب وہ کسی کام کا بیڑہ اٹھا لیتے ہیں تو ناموافق حالات کی تیز و تند آندھی بھی ان کے پائے استقلال کو متزلزل نہیں کرسکتی خانگی مصروفیتیں ہوں یا ذہنیات کے کاروبار یا بہیرِ خیالِ خاطرِ احباب کے نازک مرحلے ان سب سے بڑی خوش اسلوبی سے نپٹنے اور عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت سے وہ متصف ہیں۔ وہ شاعر ہیں، ادیب و محقق بھی ہیں اس لیے شعر و ادب کے میدان میں بھی بربنائے فطری ذوق کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ تلامذہ صفی اور اصلاحات صفی ان کی دوگراں بہا تالیفات شمالی اور جنوبی ہند کے ادبی سرمایہ میں منفرد اور امتیازی درجہ رکھتی ہیں ۱۹۹۳ء میں ان کا مجموعہ کلام "شعلۂ سخن" بھی شائع ہو چکا ہے۔ بے کار مباش کچھ کیا کر کے مصداق موصوف نے محاوراتِ صفی اور خمریاتِ صفی کے نام سے دو کتابیں مرتب کی ہیں۔ جناب اخگر دبستانِ صفی سے وابستہ ہیں اس لیے حضرت صفی اورنگ آبادی سے بڑی عقیدتمندانہ وابستگی رکھتے ہیں یہ کتابیں اسی وابستگی کے ساتھ علمی و تحقیقی ذوق کے مظہر ہیں۔

استادِ سخن صفی اورنگ آبادی کے کلام میں عاشقانہ جذبات کی فراوانی اور طرز ادا کی خوبی و دلکشی نے اسے قبولیت عام کی سند عطا کی ہے انھیں زبان و بیان پر یہ دعویٰ حاصل تھا۔ بول چال، محاورات اور ضرب الامثال کے استعمال میں بڑی فن کارانہ مہارت رکھتے تھے اور ایسی بے تکلفی و برجستگی سے اپنے کلام میں ان کا استعمال کیا ہے کہ "اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں" داغ کا دعویٰ باطل نظر آتا ہے۔ صفی کی غزلیں، رباعیات، قصاید اور

نظمیں وغیرہ پڑھنے سے یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ تمام اصنافِ سخن میں محاورات کے استعمال کا وہ ایک خاص ذوق اور بڑی صلاحیت رکھتے تھے۔

جناب محبوب علی خاں اخگر نے بڑی محنت اور دلچسپی سے ان اشعار کا انتخاب کیا ہے جن میں محاورات ضرب الامثال و خمریات تمام تر خوبیوں کے ساتھ نمایاں ہیں۔ بہ یک نظر جناب صفی کے فن اور زبان دانی کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب ممد و معاون ثابت ہوگی اسی طرح جناب اخگر نے خمریاتِ صفی مرتب کرلی ہے خمریات اردو شاعری کا ایک دلچسپ موضوع سخن رہا ہے۔ اس کتاب میں خمریات پر صفی کی جولانی طبع کی عکاسی ہوتی ہے جن کی اہمیت سے انکار نہیں ہے۔ جناب اخگر نے وعدہ کیا تھا کہ جناب صفی کے بہت سارے خطوط وہ جمع کرلیے ہیں اور انہیں شائع کریں گے۔ انشائے صفی کی جو اہمیت ہے وہ اہلِ علم جانتے ہیں میں جناب اخگر سے خواہش کروں گا کہ ان کے عزم و ارادہ کا دوسرا قدم انشائے صفی کی طباعت کی صورت گری میں اٹھے تاکہ دنیا یہ جان لے کہ صفی بلند پایہ شاعر ہی نہ تھے بلکہ طرز خاص کے ادیب اور انشا پرداز بھی تھے۔

ہم کیا ہیں تہمتوں سے پیمبر نہیں بچے
نادان کیا زمانے کے منہ کو لگام ہے
(صفی)

مار دنیا کو جو ٹھوکر تو ذرا خود کو بچا
کہیں دنیا نہ پلٹ کر تجھے ٹھوکر مارے
(صفی)

خفا ہوتے ہیں میرے نام سے جو اے صفی صاحب
وہی خوش ہو کے سنتے ہیں مرے اشعار لوگوں سے
(صفی)

صفی اور خمریات

سید فضل المتین چشتی
گدی نشین درگاہ اجمیر شریف

خمریات کا اردو شاعری میں اپنا ایک خاص مقام ہے۔ سودا کا بے پناہ کیفیت کا حامل قابلِ قدر یہ شعر اپنے موضوع کا نمائندہ شعر ہے۔

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا ؛ ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

خمریاتِ اُردو غزل کا خاص موضوع رہی ہے۔ بعض شعراء تو صرف اس موضوع پر طبع آزمائی کے سبب ہی زندہ جاوید ہو گئے۔ جیسے ریاض خیر آبادی۔

صفی اورنگ آبادی ایک قادر الکلام ایک زبان داں اور مشہور صاحبِ سخن گزرے ہیں، ان کی زندگی سراسر شاعرانہ تھی۔ غزل جن موضوعات کا احاطہ کرتی ہے صفی اورنگ آبادی نے اپنی غزل کے دائرہ میں رہ کر ان تمام موضوعات پر کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے۔ صفی قدیم رنگ سخن کے دلدادہ تھے، نمائندہ تھے وہ کیسے اردو غزل کے موضوع خمریات سے دامن بچائے رکھتے۔ یہ صحیح ہے کہ خمریات صفی اورنگ آبادی کا خاص موضوع نہ تھا مگر اس موضوع پر بھی انہوں نے واقعی اپنا حق ادا کر دیا ہے اور کامیابی کے ساتھ اپنی افتادِ مزاج کی پاسداری کے ساتھ خمریات کے میدان میں اپنی راہ نکالی ہے انداز ان کے ان دو اشعار سے کیا جا سکتا ہے۔

بدنام کیا صفی کو مے نوشی نے ؛ یہ عیب نہ ہوتا تو ولی ہو جاتے

کچھ اور سوچ لیں گے اگر مے حرام ہے ؛ اللہ کے کلام میں کس کو کلام ہے

اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں رہے گا کہ ان دونوں اشعار کا مضمون اپنے انداز کی گرفت کے ساتھ اردو کے کن مشہور و معروف شعراء کے اشعار کا ہے۔

صفی اورنگ آبادی کے استادِ سخن کیفی حیدرآبادی میرے شہر اجمیر میں مدفون ہیں۔ اس لیے مجھے بھی ان سے ایک تعلقِ خاطر ہے۔

خوش قسمت ہیں وہ افراد جو اپنے اسلاف کے جلائے ہوئے چراغوں کو اپنے لہو سے روشن رکھتے ہیں۔ محبوب علی خاں اخگر سلسلہ صفی کے ایک ایسے نامور فرزند ہیں جنھوں نے صفی کے ذکر کو عبادت کا درجہ دیا ہے۔ اور یقین ہے کہ وہ اس طرح صفی سے

وابستگی اور ان کے لیے اظہارِ عقیدت کے ساتھ اپنی زندگیِ جاوداں کا سامان فراہم کر جائیں گے صفی کے سلسلہ کی دیگر کتب کی طرح خمریاتِ صفی بھی آپ اپنی مثال ہو گی۔

کی ہم آغوشی کی حسرت غیر نے
آڑے ہاتھوں آپ نے ہم کو لیا
(صفی)

تیرا خیال کیا اِدھر آیا اُدھر گیا
جیسے ہوا کے گھوڑے پہ کوئی سوار تھا
〃

واقعی بارِ امانت کے لیے موزوں بھی ہوں
یا فقط سرکار کی بیگار میں پکڑا گیا
〃

اپنی سمجھ کر کچھ بھی نہ سمجھے ہم اے صفی
وہ تو الف سے بول گئے والسلام تک
〃

یہ دُنیا خود غرض ہے حلوے مانڈے سے اسے مطلب
مرے کوئی تو مُردہ جائے دوزخ میں کہ جنّت میں
〃

عشق میں جان بیچنے والے
سولہ سو کے ہزار کرتے ہیں
〃

محبوب علی خاں اخگر

صبوحی[1]

شراب پہلے وجود میں آئی یا شاعری اس کا سراغ لگانا محققین کا کام ہے
مَیں تو صرف اِتنا جانتا ہوں کہ جب سے تہذیب نے آنکھیں کھولیں، شراب و
شعر دوش بدوش نظر آئے۔ "طرب و الم" زندگی کے دو اہم پہلو ہیں اور یہ عجیب بات
ہے کہ شراب ان دونوں کیفیتوں میں کسی نہ کسی حیثیت سے شامل ہے غم غلط کرنا
ہو یا طرب کا اظہار، شراب سے مفر نہیں۔ شاعری بھی زندگی کے طربیہ و المیہ
پہلوؤں کی آئینہ دار ہوتی ہے لہٰذا شراب و شعر میں چولی دامن کا ساتھ ہمیشہ رہا
ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

خمریاتی شاعری کی ابتداء وارتقاء اور شرابِ حقیقی و مجازی کے موضوعات
وغیرہ پر پروفیسر یعقوب عمر کا ایک سیر حاصل تحقیقی مقالہ اس میں شامل ہے چنانچہ
میرے لیے اس پہلو پر بحث کی گنجائش نہیں۔ شاعر ہوں، اس حیثیت سے مَیں نے
اساتذہ کی خمریاتی شاعری کا مطالعہ کیا ہے اور خود بھی اس موضوع کو نظم کر چکا ہوں۔
ہاں بنت عنب سے ریاضؔ خیرآبادی کی طرح براہ راست میرا کوئی واسطہ نہیں رہا!
شرابِ انگوری کی کیفیات کا کوئی تجزیہ نہیں البتہ شراب عرفانی کے مضامین سے

---

[1] صبوحی اس جام کو کہا جاتا ہے جو رند صبح بیدار ہوتے ہی تھکن دور کرنے کے لیے
پیتے ہیں لہٰذا مَیں نے اس کتابچے کے "مقدمے" کو بہ اعتبارِ موضوع "صبوحی" کا نام دیا ہے۔

ہمیشہ محظوظ ہوتا رہا ہوں۔

دبستانِ صفی اورنگ آبادی سے وابستگی نے اس امر پہ اکسایا کہ صفی اورنگ آبادی نے اس موضوع پر جو شعر نظم کئے ہیں انھیں ترتیب دیکر شائع کروں اور اس کے ساتھ ساتھ خمریاتی شاعری کی ابتداء ارتقاء اور عہد بہ عہد صورت گری سے متعلق مضامین بھی ایک مقدمے کے ساتھ اس میں شامل کردوں تاکہ باذوق قارئین کی تسکین کا سامان بھی فراہم ہوجائے اور کتابچہ بھی ادبی وتحقیقی رنگ اختیار کرلے۔

صفی کی شراب، سبھی جانتے ہیں کہ وہی تھی جس کے رسیا عمر خیام و مرزا غالب رہے ہیں۔ صفی نے علامہ اقبال کی طرح قومی یا ملی مضامین نظم نہیں کئے، نہ اقبال سہیل، چکبست اور دیگر جدید شعراء کی طرح سیاسی و سماجی مضامین پر خمریاتی اصطلاحوں کو بروئے کار لاتے ہوئے قلم اُٹھایا ہے۔ ان کے موضوعات وہی ہیں جو حافظ۔ عمر خیام اور غالب کے کلام میں ملتے ہیں مگر زبان و بیان کا لُطف اور محاورات کی برجستگی صفی کی اپنی ہے اور یہ پہلو شاعری کا ذوق رکھنے والوں کو متاثر کرتا ہے۔

خمریاتی شاعری کی اصطلاحات سے بیسویں صدی میں کئی شعراء نے وہی کام لیا ہے جو صوفی شاعروں نے شراب عرفانی کے مضامین سے کسی زمانے میں لیا تھا۔ یعنی سچائی کا اظہار اور ریاکاری کا پردہ فاش کرنا۔ چنانچہ انگریزی سیاست کی مکاری کو اقبال سہیل نے یوں نمایاں کیا ہے۔ ؎

وہ چشمِ فتنہ گر ہے ساقیِ میخانہ برسوں سے
کہ باہم لڑ رہے ہیں شیشہ و پیمانہ برسوں سے

(اس شعر میں ہندو اور مُسلمانوں کو آپس میں لڑا دینے کی انگریزی سیاست کی طرف اشارہ ہے)۔

اقبال نے ملی بیداری اور اخلاق کا درس دیا ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

بری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ

یہ کتابچہ شعر و ادب کا حقیقی ذوق رکھنے والوں کی خدمت میں اِس درخواست کے ساتھ پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ وہ اپنے گرانقدر خیالات سے واقف کروائیں اور اگر کہیں کوئی فروگذاشت ہوگئی ہو تو اُس کی نشاندہی کریں۔

حضرت صفی کے دیوان میں جو چار جلدوں پر مشتمل ہے خمریات کے موضوع پر صرف ۱۱۳ اشعار دستیاب ہوسکے۔

کتاب کی طباعت کے سلسلے میں میری درخواست پر شعر و ادب پر عبور رکھنے والی جن اہم شخصیتوں نے میری کتاب کے لیے گرانقدر مضامین عنایت فرمائے ہیں اس سے تالیف کی افادیت میں معتدبہ اضافہ ہوا ہے میں تہہ دل سے فرداً فرداً پروفیسر یعقوب عمر صاحب محمد نورالدین خاں صاحب، ڈاکٹر محمد علی اثر صاحب و صاحبزادہ فضل المتین چشتی کا شکرگزار ہوں۔

میں جناب ولی محمد صاحب صدیقی آرٹسٹ کا خصوصی طور پر ممنونِ کرم ہوں جنھوں نے نہ صرف اس کتاب کا دیدہ زیب سرِورق بنایا بلکہ اشعار کی مناسبت سے سولہ خوبصورت اسکیچ بنانے کی بھی زحمت گوارا کی۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں محمد عبدالروف خوشنویس و ریاض محمد خوشنویس کا شکریہ ادا نہ کروں آخر میں طباعت کے لیے دائرہ پریس، ٹائٹل کی طباعت کے لیے رائل پرنٹرس چھتہ بازار اور جلد بندی کے لیے حفیظیہ بک بائنڈنگ چھتہ بازار بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔

خمریات

جہاں بھی وہ ہمارا ساقی خوش انتظام آیا
تو خم آیا، صراحی آئی، شیشہ آیا، جام آیا

اڑا جاتا ہے کیف بے خودی میں دل کا ہر ذرہ
نگاہِ مست مجھ تک آئی یا سرِ شام جام آیا

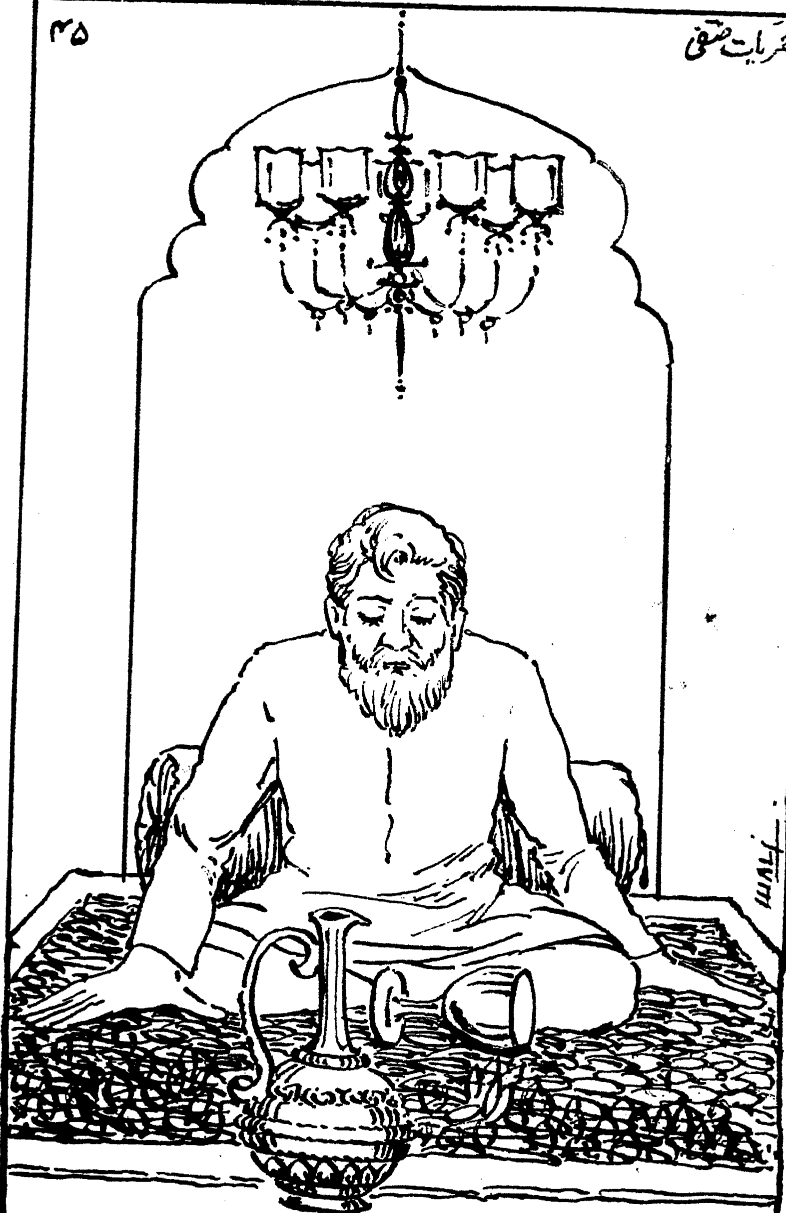
تری ساقی گری کی خیر ہو یہ کیا ہے اے ساقی
مئے گل رنگ ہی آئی نہ جام لالہ فام آیا

شغل بادہ نہ ہو کیوں سب سے نرالا اپنا
دل بھر آتا ہے جو خالی رہے پیالا اپنا

پائے ساقی پہ نہ گر کر ہوا بدنام صفی
ہائے ناداں کہاں جھوک سنبھالا اپنا

کرم پیرِ مغاں ہے وہی پینے والو
کیوں نہیں کہتے کہ ہے منہ ہی کسالا اپنا

تجھ سے شکوہ نہ شکایت نہ گلہ ہے ساقی
جام ٹوٹا نہیں پھوٹا ہے مقدر اپنا



شغل بادہ نہ ہو کیوں سب سے نرالا اپنا
دل بھر آتا ہے جو خالی رہے پیالہ اپنا
(صفی)

نہیں ہے بے خودی ہی کی تمنّا ہم کو اے ساقی
ترے مستوں کا صدقہ کچھ ذرا سا گھونٹ بھر اتنا

ہم اپنا اوجھ بھر لیتے ہیں ساقی
بِھکاری بھیک میں ڈھونڈیں مزا کیا

مجھ کو سُنی سُنائی پہ کب آیا اعتبار
رنگ بہار دیکھ کے توبہ شکن ہوا

ساقی نے پھر سے عہد کیا پھر سے میں نے پی
پیماں شکن کے واسطے توبہ شکن ہوا

اس میں نہیں قصور ہوائے بہار کا
میں قدر توبہ جان کے توبہ شکن ہوا

عِشق میں بشاشں بہت کم رہے
مئے نے ہمیں کیف بہت کم دیا

نہ پوچھ ہم سے حقیقت شراب کی واعظ
نہیں ہے تجھ میں سلیقہ گناہ کرنے کا



ساقی نے پھر سے عہد کیا پھر سے میں نے پی
پیماں شکن کے واسطے توبہ شکن ہوا
(صفی)

شام آئی میرے ساقی جام شراب نکلا
اک آفتاب ڈوبا اک آفتاب نکلا

کسی کے جاتے ہی بے کیف ہو گئی محفل
رکا نہ دور مگر خاک بھی مزا نہ ملا

اب میکدے کی خیر ہو اے پیر میکدہ
سنتے ہیں ہو گیا ہے صفیؔ کا جگر خراب

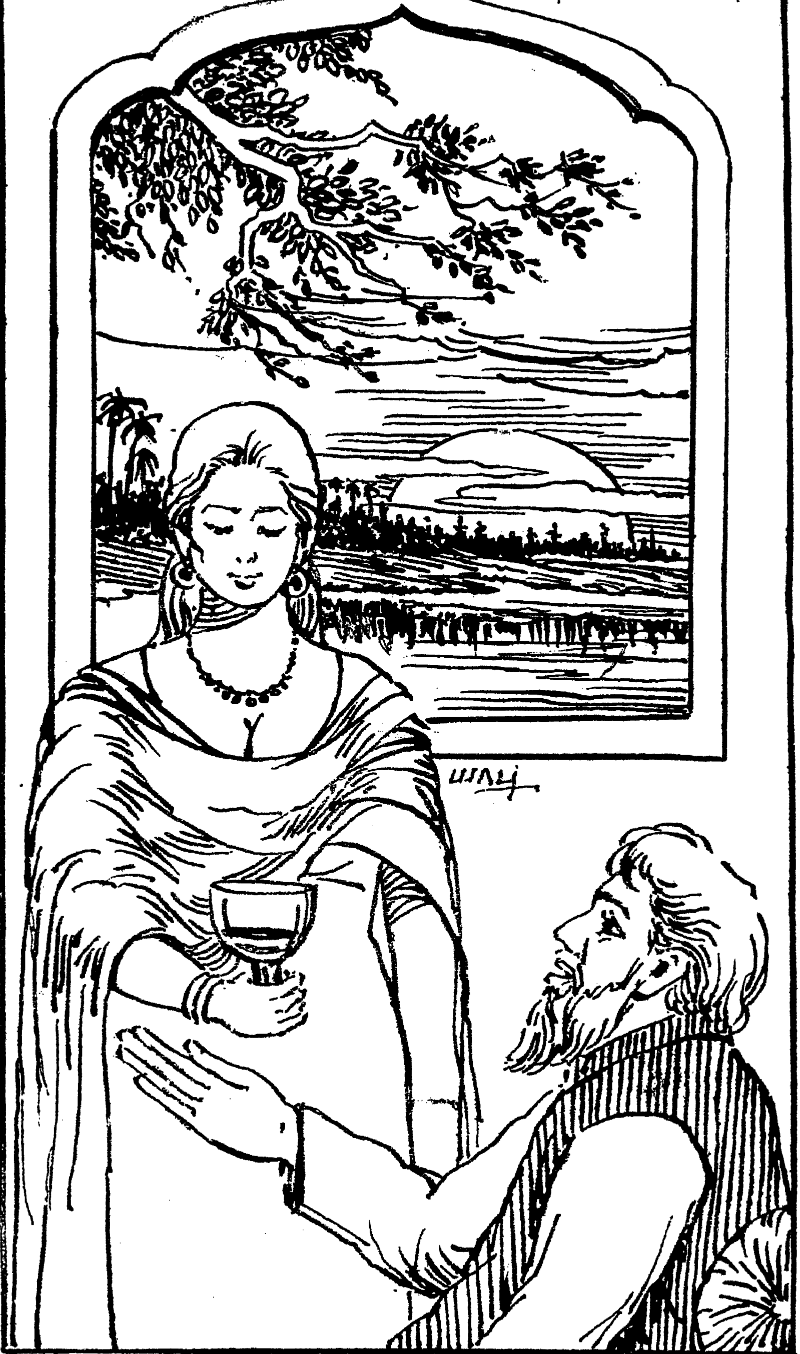
دے خدا جس کو زمانے میں دو چیزیں ہیں
عشق خوبانِ جہاں و ہوسِ جام شراب

ساقی ترے اُلش کا مزہ اور رنگ اور
جھوٹی ہر ایک منہ کی نہ دے منہ نہ کر خراب

ساقی عطائے خاص یہ ہے مجھ سے داد خواہ
اور آج ہی نہیں مرے مُنہ کا مزا درست

یاد ہیں وہ رنگ جب ساغر اُٹھایا ہاتھ میں
ابر رحمت بن گئے میرے لیے گیسو دوست

شام آئی میرے ساقی جام شراب نکلا اک آفتاب ڈوبا اک آفتاب نکلا



وہ جام مئے کے دَور وہ لطفِ بہارِ گُل
وہ رات دن کا عیش وہ شام و سحر کی عید

کوثر ہے الگ اور مئے ہوش رُبا اور
کچھ اس کا مزہ اور ہے اور اس کا مزا اور

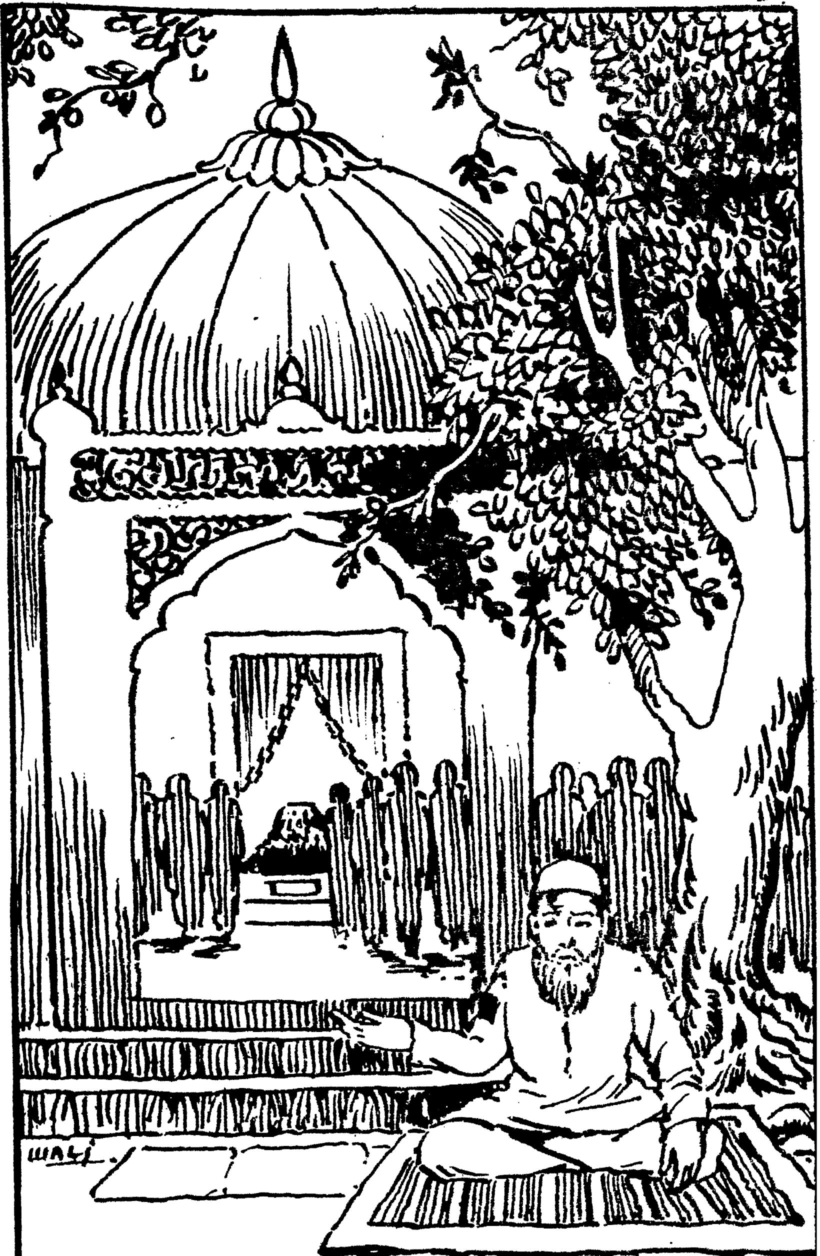
میخوار سے ممکن نہیں مقدار سے پینا
تاثیر شراب اور ہے تاثیر دوا اور

نہ وہ ہم ہیں نہ وہ گلشن نہ وہ ساقی نہ وہ دَور
رنگ بدلا ہے برس بھر ہی کے اندر باہر

بھٹّی کے ہیں عروج و زوال ایسے پیر جی
مئے کش چڑھائے خوش ہے تو مئے گر اُتار کر

پایا نہ اِک ذرا بھی کبھی مئے کدے کا رنگ
بستر لگا کے دیکھ لیا خانقاہ پر

ایک جانب شیشہ و ساغر کی لام!
ایک جانب مئے پرستوں کی قطار!



پا یا نہ اِک ذرا بھی کبھی مے کدے کا رنگ
بستر لگا کے دیکھ لیا خانقاہ پر

(صفی)

کہنا ساقی کا کہ ہاں جھک کر پیو
مجھ کو دے دے گا مرا پروردگار

آج گائیں آپؐ کی، کل اور کی
تم سے رندوں کا بھلا کیا اعتبار

فرقتِ ساقی میں اب تک زہر کھا لیتا صفیؔ
اس کو پینے کا سلیقہ ہے نہ کھانے کی تمیز

نہیں مجھ کو اے میرے ساقی ہوس
بس اللہ بس اور باقی ہوس

اک دن تو اپنے خاصے کی پیرِ مُغاں پلا
یا آنکھ تیری خاص ہے یا ہے شراب خاص

ذرا سی بھی پی لی جو کم ظرف نے
کہاں کا ادب پھر کہاں کا لحاظ

مے تو ہے اے شیخ اک پینے کی چیز
بے تمیز اس میں بھی کھاتے کا نمک



کہنا ساقی کا کہ ہاں جھک کر پیو
تجھ کو دے دے گا مرا پروردگار

(صفی)

اِتنی شوخی صفیؔ کسی میں کہاں
رنگ میں رنگ تو شراب کا رنگ

ہر نظر موجِ مئے ہو پیرِ مغاں
رنگنا ہے تو مجھکو ایسا رنگ

اب بھی کچھ کم نہیں مگر ساقی
ہائے وہ جلسہ ہائے رنگا رنگ

ساقی ترے صدقے ترے قربان نہ ترسا
یوں سامنے دیکھوں مئے خونِ ناب کہاں تک

جام نہ ہو تو مئے کشو عیش نہ بدمزا کرو
دستِ خود دہانِ خود اوک سے پی لیا کرو

مئے کشو پیرِ میکدہ کا کام
ہے بڑا امتحاں اگر دیکھو

ہائے اُس بے خودِ شباب کا رنگ
لال انگارہ سا شراب کا رنگ



جام نہ ہو تو لو مئے کشو عیش نہ بد مزا کرو
دستِ خود دہانِ خود اُوک سے پی لیا کرو

(صفی)

کیا کریں ہم مئے و معشوق کی تعریف صفیؔ
آدمی کو یہ بڑھاپے میں جواں رکھتے ہیں

قرض کی پی ہے ایک حضرت نے
لوگ بھی اُدھار کرتے ہیں

جو مئے خانے سے مئے آشام پی پی کر نکلتے ہیں
تو ساری پوتیاں کھلتی ہیں سب جوہر نکلتے ہیں

جو ہوا بے ہوش پھر وہ ہوش میں آیا نہیں
آج ساقی کا لہو کیوں جوش میں آیا نہیں

شیخ جی مئے ہے آتش سیال
جام پانی بھرا گلاس نہیں

ذرا بے وقت کھڑکائی اگر زنجیر مئے خانہ
تو ایسی برہمی پہ بے رُخی اے پیر مئے خانہ

آپ بہبود علی ہی کو بتاتے ہیں صفیؔ
جانتا ہوں میں بڑا رندِ خرابات ہے یہ



کیا کریں ہم مئے و معشوق کی تعریف صفی
آدمی کو یہ بڑھاپے میں جواں رکھتے ہیں

(صفی)

ساقی کا شکر شکوۂ تقدیر کیا کریں
اک آگ ہے کلیجے کے اندر لگی ہوئی

میری توبہ پہ بھی وہی چال ڈھال ہے
پہچانتا ہے دور سے پیرِ مغاں مجھے

پینے والوں کو ہے ساقی کی کرامت معلوم
یوں دکھانے کو تو اک جام عطا ہوتا ہے

کچھ اور سوچ لیں گے اگر مئے حرام ہے
اللہ کے کلام میں کس کو کلام ہے

میرے حق میں شراب پانی ہے
اور پانی سے زندگانی ہے

بخشوانے کا میرے ساقی نے ذمہ لے لیا
مفتیانِ دیں کا ایسے وقت کیا ارشاد ہے

زہر لگتی ہے مجھے فرقت ساقی میں شراب
نیند آنے کی دوا جان کے پی جاتی ہے



بخشوانے کا مرے ساقی نے ذمہ لے لیا
مفتیانِ دیں کا ایسے وقت کیا ارشاد ہے
(صفی)

جنابِ شیخ اجی قبلہ او بڑے حضرت
تمہارے لب پہ بھی ذکرِ مئے و سبو آئے

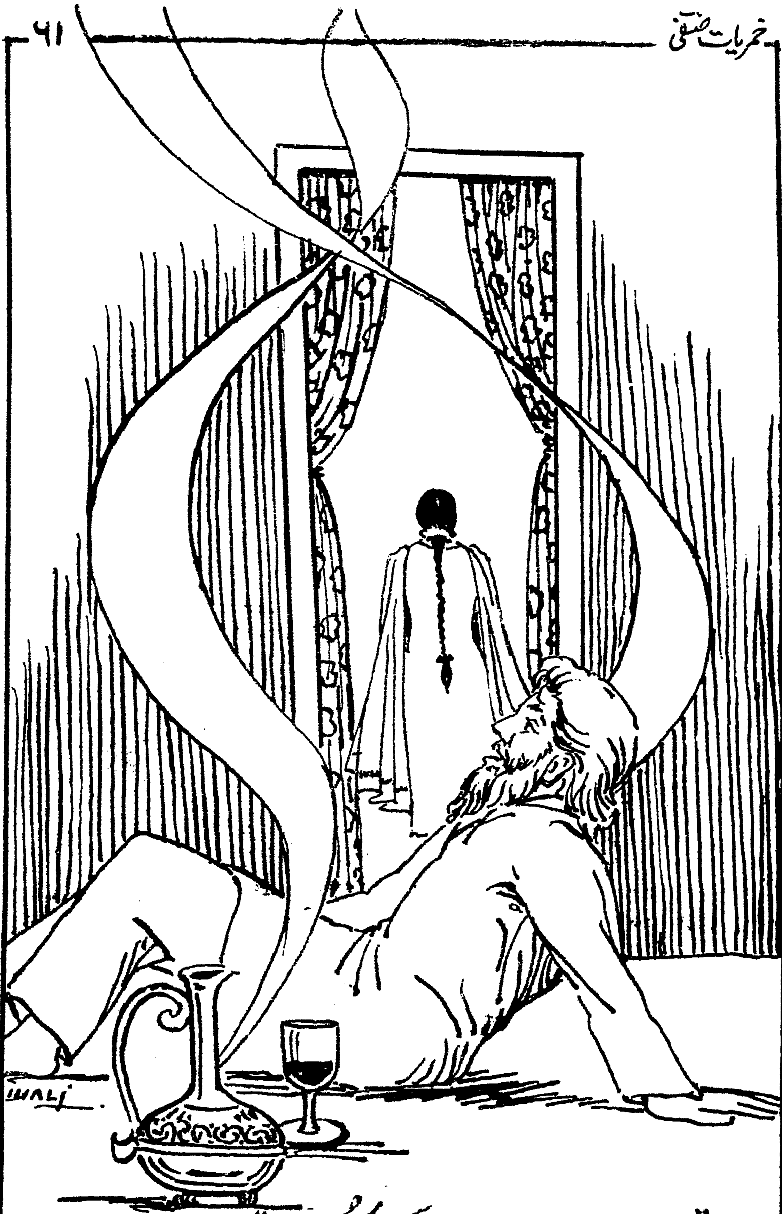
وہ جلوہ اور طُور، مقدر پہاڑ کے
کیسی شراب کس کو پلا دی پچھاڑ کے

قصورِ بادہ ہے اس میں نہ کوئی جُرمِ ساقی ہے
مرا بے ہوش ہونا وارداتِ اتفاقی ہے

شیخ کو ہے دُختِ رز سے اجتناب
جیسے سچ مچ بھی یہ عورت ذات ہے

چرچے ان کے گلی گلی ہو جاتے
کچھ اور ہی بہبود علی ہو جاتے
بدنام کیا صفی کو مئے نوشی نے
یہ عیب نہ ہوتا تو ولی ہو جاتے

یہ کیسے چھینٹے ہیں ہم مشربوں کے اے ساقی
کسی کا ان میں سے کچھ پی گئے ہوں نہ کچھ کھا کے



قصورِ بادہ ہے اس میں نہ کوئی جُرمِ ساقی ہے
مرا بے ہوش ہونا وارداتِ اِتفاقی ہے

(صفی)

گھڑی بھر کی ہے ناچاقی نہ جا رندوں میں اے ساقی
ذرا ہوش آ گیا تو ایک ہیں یہ پھر گھڑی بھر سے

ساقی کی چشمِ مست کا اُمیدوار ہوں!!
یہ میرا دور ہے مرے حصے کا جام ہے

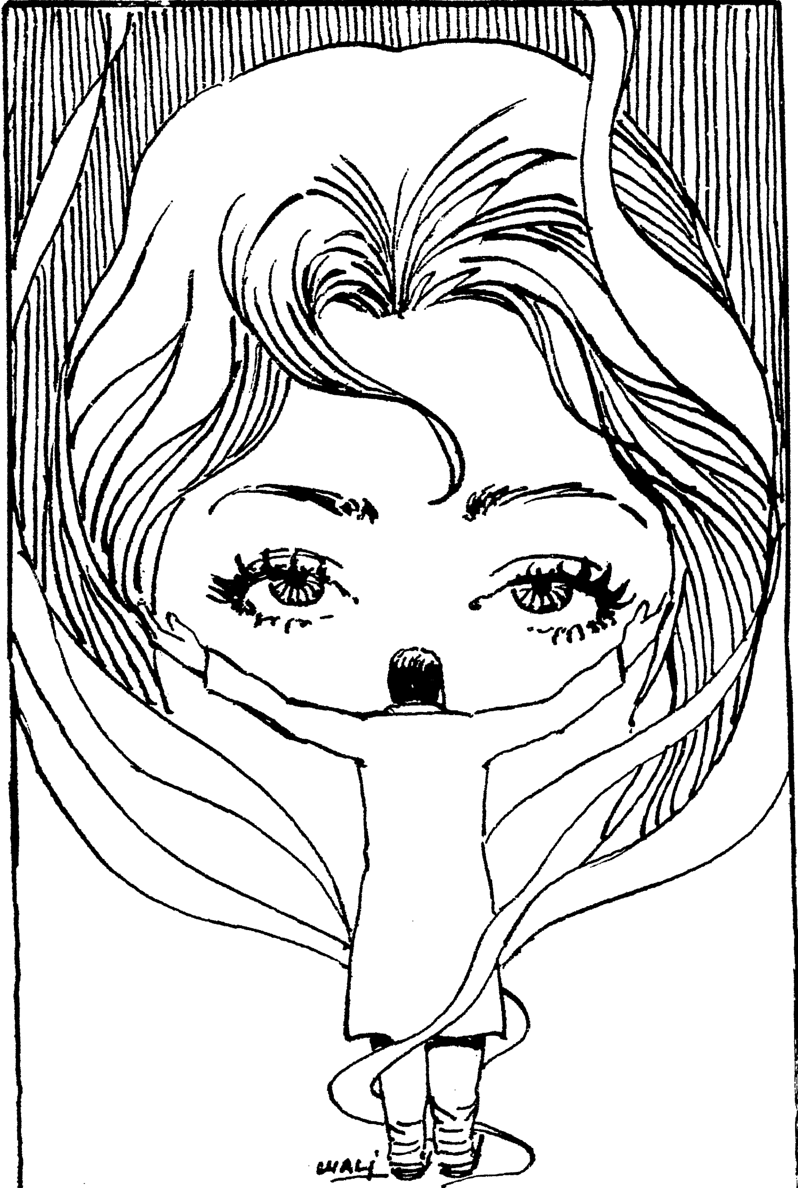
اب کہاں ساقی فقط ساقی کی ہے اک یادگار
دل نہیں پہلو میں اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ہے

تری بے التفاتی کا گلہ ہے مجھ کو اے ساقی
نہیں کہتا کہ پہلی چیز کچھ تھی دوسری کچھ ہے

کس طرح چھوڑیں صفی عادتِ نوشیدنِ مے
چھوٹنے کی ہو کوئی چیز تو ہم سے چھوٹے

تلچھٹ سہی دینے کا مگر نام تو ہوتا
ہم بھی تو دعا گویوں میں اے پیرِ مغاں تھے

اب تو صفی کو ہر گھڑی پینے سے کام ہے
مہنگی ملے خراب ملے بدمزہ ملے



ساقی کی چشمِ مست کا اُمیدوار ہوں
یہ میرا دَور ہے مرے حصّے کا جام ہے

(صفی)

شیخ جی نے تو اب نکالے ہیں
پَر ورتے شراب خانے کے

مستی نہیں ہے شیخ کی اللہ کیلئے
معلوم ہے اُڑائے ہوئے ہیں شراب کے

میں تیری دونوں آنکھوں کے قربان ہو گیا
جیسے کہ دو پیالے بھرے ہیں شراب کے

محبت قاعدے سے کی ہے مئے خواری طریقے سے
کئے ہیں ہم نے بھی یہ کام لیکن کچھ سلیقے سے

اب تو رِندی سے باز آؤ صفی
دوسروں کو نظیر ہوتی ہے

واہ کیا پیاس بُجھائی ہے مرے پیرِ مغاں
کہ بھرا جام اُٹھا کر مرے سر پر مارے



واہ کیا پیاس بجھائی ہے مرے پیرِ مغاں

کہ بھرا جام اُٹھا کر مرے سر پر مارے (صفی)

یہ لُطف خاص بھی، وہم آفریں ہے اے ساقی
مرے ہی آگے چھلکتا ہوا سُبو آئے

کیا ہوا، مَے پی، کہ اس ظالم نے ہم کو پی لیا
اے اجل اپنا بھی جام زندگی لب ریز ہے

مری رندی میں تیرا خرچ کیا ہوتا ہے اے واعظ
مسلماں کو بُرا کہتا ہے، تُو کیسا مسلماں ہے؟

جام کے بدلے صراحی سے پلا ساقی مجھے!
خم کا کوئی ناپ؟ ساغر کا کوئی پیمانہ ہے

اب کہاں ساقی، فقط ساقی کی ہے اِک یادگار
دل نہیں پہلو میں، اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ہے

سب ہی سُنتے ہیں اس کی پیرِ مغاں
جو کھلا کے پلا کے کہتا ہے

کس منہ ادا ہو شُکرِ ساقی
بے حال گئے، بہ حال آئے

چاندنی، باغ، ہوا، ابرِ بہاری، برسات
کیا کہوں کس نے بنایا ہے گنہ گار مجھے



چاندنی، باغ، ہوا، ابرِ بہاری، برسات
کیا کہوں کس نے بنایا ہے گنہگار مجھے

(صفی)

ساقی نے یا پلائی بلا کر کچھ اور شئے
یا فرق آگیا ہے مزے میں زبان کے

رند مشرب ہے صفی سا آدمی
کیا مسلمانی ہے کیا اسلام ہے

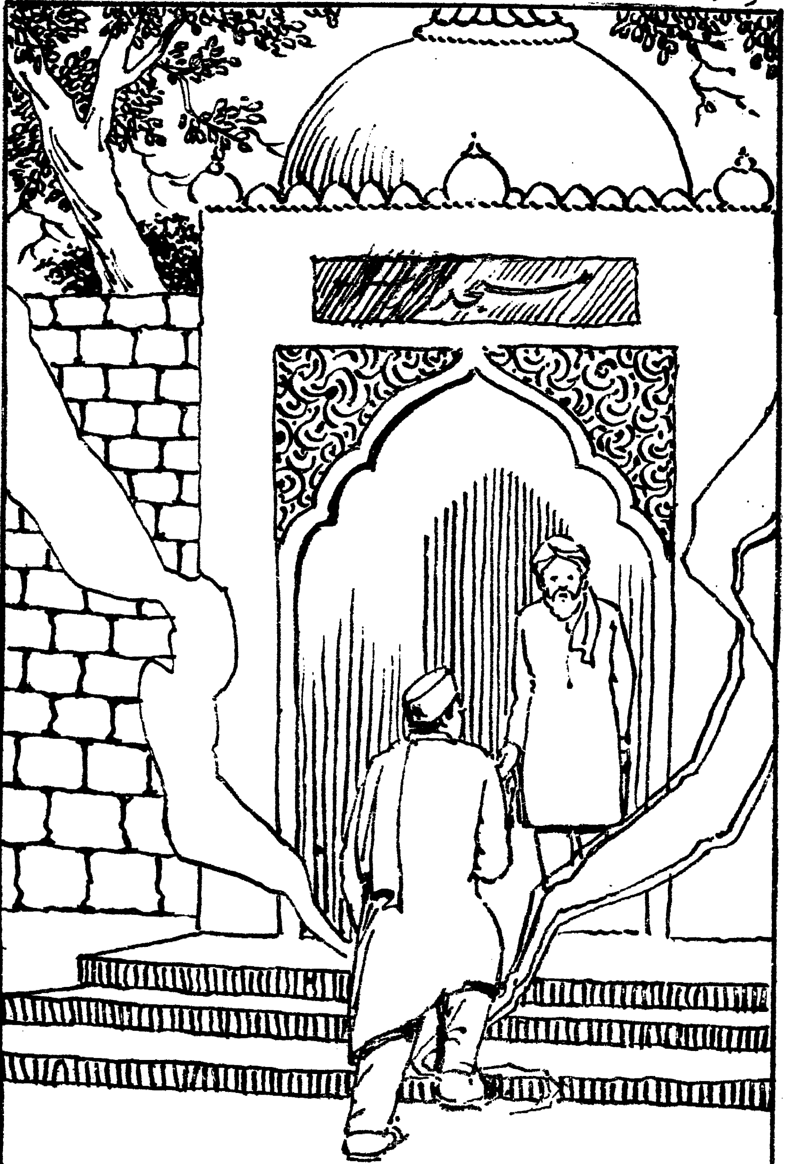
تم کہاں ہو شراب خانہ کہاں
اے صفی لہریں کدھر آئے

جبہ و عمامہ و تسبیح رکھتے ہیں صفی
شیشۂ مے چھوڑ کر اب ہو لوی خاب بنے

شیخ صاحب کو کہیں کم نہ سمجھنا ساقی
کل سے مے خانے کے دروازے کو زنجیر ہے

بادۂ عشق ہم غریبوں کو !!
ایسی بھاری شراب کیا کرتے !

ہو تہی ساغر تو کیوں ساقی پشیمانی مجھے
وہ نہیں تو آج دیسے رنگ کا پانی مجھے



تم کہاں اور شراب خانہ کہاں
اے صفی لپریں کدھر آئے

پیرِ مغاں پہ دوش ہے نہ احساں بہار پر
اپنی غرض کے تحت ہیں توبہ شکن ہوا

ہجو ہے یہ شیخ تو آپے سے باہر ہو گیا
دیکھنا بے چارہ ممبر سے کہیں گر جائے گا

ذرا تیور پیرِ مغاں ابر ہے
تجھے چاہیئے ہر سماں کا لحاظ

مجھ کو روتا دیکھ کر کہنے لگے
آج شاید بڑھ گئی مقدار میں

نہیں آدابِ شرب سے واقف
جو رہے پی کے اپنی حالت میں

کل اس نے جبر کر کے پلائی تھی اے صفی
دیکھا مجھے تو کہنے لگا آج اِدھر کہاں

کیوں چھوٹے درِ پیرِ مغاں دیکھ رہا ہوں
دُنیا میں گزرتی نہیں بے پیسہ کسی کی



مجھ کو روتا دیکھ کر کہنے لگے
آج شاید بڑھ گئی مقدار میں

(صفیؔ)

آج شیشوں میں دوا کے واسطے مدّی نہیں
میرے ساقی کے تصدّق ہاتھ میں بڈی نہیں

پیرِ مغاں جو تو ہے سلامت تو کیا نہیں
ممنون ہوں ضرور مگر دل بھرا نہیں

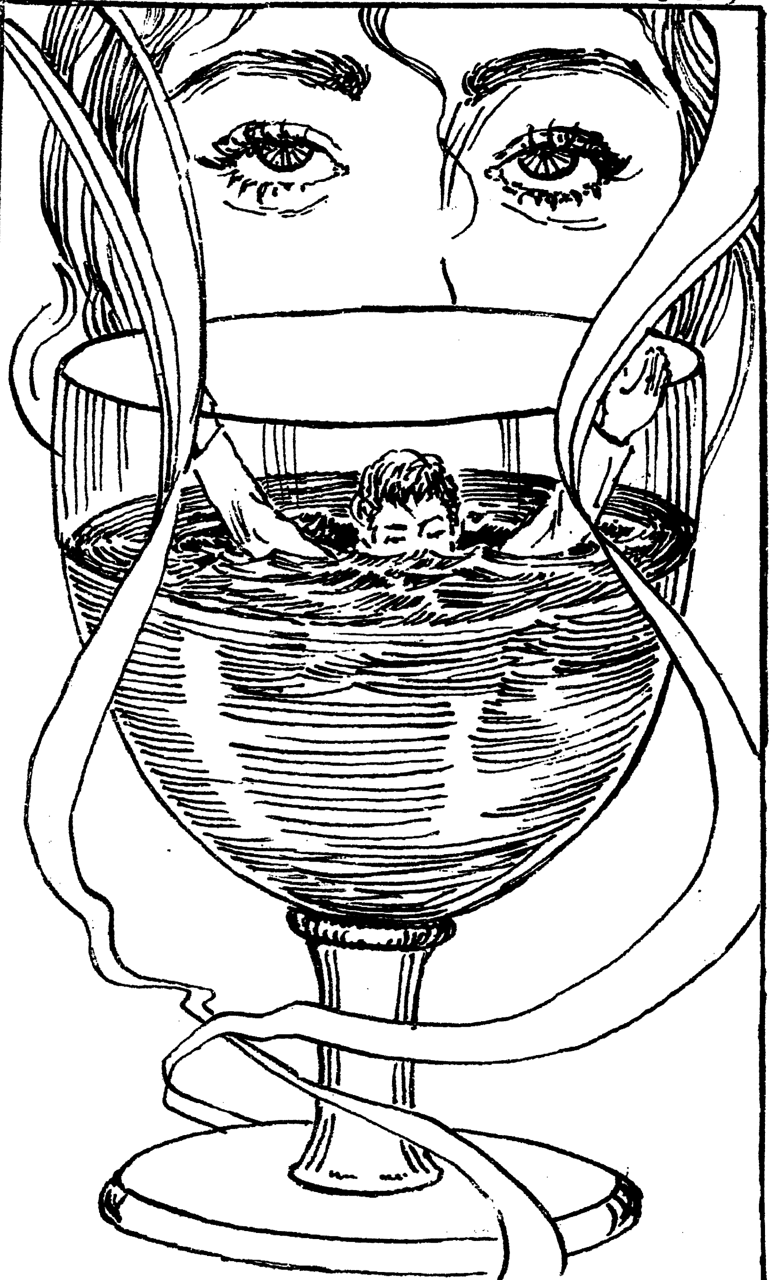
بھلا پیرِ مغاں خیرات میں کیوں بے رخی اتنی
یہ کیا آدھی زمیں پر اور آدھی میرے چلو میں

مَیں نے بھی توبہ توڑ دی اپنی تو کیا ہوا
دُنیا کے لوگ کیا نہیں کرتے بہار میں

وہ بیخودیٔ عشق نہ پائے گا اے صفیؔ
پینا تو کیا ہے ڈوب کے مر جا شراب میں

بزم میں ہم نے لہو اپنا پیا ہے ساقی
تھی ترے ہاتھ سے پینے کی جو نیت دل میں

ایک خوراک، صفیؔ ضعف میں ہے اے ساقی
یہ جو شیشوں میں ہے سب اسکو دوا کہتے ہیں



وہ بیخودیِ عشق نہ پائے گا اے صفیؔ
پینا تو کیا ہے ڈوب کے مر جا شراب میں

ہم دوبارہ نہ مانگتے ساقی
تیری جھوٹی جو پی نہیں ہوتی

چھائی بدلی تو پھر کہاں توبہ
زندگی ہی بدل گئی میری

ہوا ہوں جب سے مفلس اپنے آنسو آپ پیتا ہوں
کروں کیا اے صفی عادت بُری ہوتی ہے پینے کی

کسی دن خُم لگا دے منہ سے اپنا دل بڑا کر لے
جو تجھ کو دیکھتی ہے سانس اے پیرِ مغاں میری

کیفیت مے سے ہے کیوں بے خبری، اِتنی
اے شیخ نہ پی چکھ لے تھوڑی سی، ذری، اِتنی

مے نوش کیا ہے ایک بلا نوش ہے صفی
صورت مگر بنائی ہے پرہیزگار کی

مست ہو جاؤں کسی کی مست آنکھیں دیکھ کر
زہد کا زہد اور مے نوشی کی مے نوشی سہی



ہوا ہوں جب سے مفلس اپنے آنسو آپ پیتا ہوں
کروں کیا اے صفی عادت بری ہوتی ہے پینے کی

صفی و دیگر شعراء

تا گردشِ فلک سے یونہی صبح شام ہو
ساقی کی چشمِ مست ہو اور دورِ جام ہو
(غالب)

ساقی کی چشمِ مست کا امیدوار ہوں
یہ میرا دور ہے مرے حصہ کا جام ہے
(صفی)

پیری میں ریاض اب بھی جوانی کے مزے ہیں
یہ ریش سفید اور مئے ہوش رُبا سُرخ
(ریاض)

کیا کریں ہم مئے و معشوق کی تعریف صفی
آدمی کو یہ بڑھاپے میں جواں رکھتے ہیں
(صفی)

مستِ جامِ شراب خاک ہوئے
غرقِ جامِ شراب ہونا تھا
(جگر)

وہ بے خودیٔ عشق نہ پائے گا اے صفی
پینا تو کیا ہے ڈوب کے مر جا شراب میں
(صفی)

قرض کی پیتے تھے مئے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن
(غالب)

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی
قرض پی آئے اِک دوکان سے آج
(ریاض)

قرض کی پی ہے ایک حضرت نے
لوگ کہنے بھی اُدھار کرتے ہیں
(صفی)

یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مئے فروش
سن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا (ریاض)

ہوا ہوں جب سے مفلس اپنے آنسو آپ پیتا ہوں
کروں کیا اے صفی عادت بُری ہوتی ہے پینے کی (صفی)

پلا دے اوک سے ساقی! جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے (غالب)

جام نہ ہو تو مئے کشو عیش نہ بد مزا کرو
دستِ خود دہانِ خود اوک سے پی لیا کرو (صفی)

جس دن سے حرام ہو گئی ہے
مئے خُلد مقام ہو گئی ہے (ریاض)

کچھ اور سوچ لیں گے اگر مئے حرام ہے
اللہ کے کلام میں کس کو کلام ہے (صفی)

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہہ جام بہت ہے (غالب)

پینے کو تو سب پیتے ہیں جگر میخانۂ فطرت میں لیکن
محرومِ نگاہِ ساقی ہے وہ رند جو دُردِ آشام نہیں (جگر)

تلچھٹ سہی دینے کا مگر نام تو ہوتا!
ہم بھی تو دُعا گویوں میں اے پیرِ مغاں تھے (صفی)

صفیؔ مرحوم کی یادمیں!

میری یہ نظم ارضِ دکن کے اس عظیم شاعر کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت ہے جو زندگی بھر مرتا رہا اور مرکے ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا ———— جامی

نہیں ہے تو آج ہم میں لیکن، ابھی ہے زندہ کلام تیرا
غزل کے سینے میں دل کی صورت دھڑک رہا ہے پیام تیرا
سمو کے حسنِ بیاں میں اپنے حیات کی دردمندیوں کو
ترے خیالات نے چھپایا، کمال و فن کی بلندیوں کو
یہ فکر کا دلنشیں سلیقہ، یہ کیف، یہ طور، یہ قرینے
محاورے شوخیاں، لطافت، حسین الفاظ کے نگینے
دکن کی محفل میں میر و مرزا کی عظمتوں کا نیا سویرا
بھلا سکے گی نہ بھول کر بھی، ادب کی تاریخ نام تیرا
کیے ترے سوزِ جاوداں نے خیال و فکر و دماغ روشن
نہ جانے کتنے ہیں زخم تازہ نہ جانے کتنے ہیں داغ روشن
یہ میں نے مانا کہ آج اتنی بدل گئیں وقت کی نگاہیں!
نئے خیالات سامنے ہیں، نئے مذاقِ سخن کی راہیں!
مگر جو پہلے ہی دے گئے ہیں اداے حسنِ بہار غازہ
بنا کے خونِ جگر کو اپنے نگارِ اردو کے رخ کا غازہ
بڑھے گا یہ قافلہ ہمارا انھیں کے فیض و کرم سے آگے
نئے نشانات بھی ملیں گے ہر ایک نقشِ قدم سے آگے
عظیم ورثہ وہی ہمارا کسی کو انکار اس سے کب ہے
ہمارے ماضی کا ھر اُجالا نشانِ مستقبلِ ادب ہے

خورشید احمد جامی
(سب رس صفی نمبر)

آب حیات کا آخری شاعر

جناب صفی اورنگ آبادی میرے قدیم دوست اور عنایت فرما تھے۔ اُن کا کلام مقبول عام ہوا۔ ہندوستان میں ایسی صاف ستھری زبان کہنے والوں میں یہ ایک ہی شاعر تھے۔ خدا تعالیٰ اُن کی مغفرت کرے۔

(خیام دکن)
سید احمد حسین امجد
(ماخوذ، سب رس صفی نمبر)

صفی کے جاننے والے اب تو اُنگلیوں پر گنے جاتے ہیں لیکن وہ دن دُور نہیں کہ ہر اردو بولنے والے کو جاننا ہی پڑے گا کہ صفی کون تھا۔ جاننا ہی پڑے گا کہ بھوک، افلاس و گمنامی کے طوفانوں سے ٹکراتا ہوا نام و شہرت کے رفعتوں کو روندتے ہوئے خدمت و ایثار کی دھن میں مگن وہ کون متوالا تھا جس نے سرزمینِ دکن کو رشکِ شیراز بنادیا۔ زمانہ دیکھے گا کہ جیتے جی جسے پوچھا نہ گیا وہ پوجا جائے گا۔

سید عبد الحفیظ محفوظ

(ماخوذ، ماہنامہ سب رس صفی نمبر)

صفی اورنگ آبادی سے متعلق لکھی گئی کتابیں اور مضامین

کتابیات صفی اورنگ آبادی

الف مجموعہ کلام

۱. انتخاب کلام صفی اورنگ آبادی مرتبہ پروفیسر مبارز الدین رفعت حیدرآباد ۱۹۶۳ء
۲. پراگندہ (مجموعہ کلام) مرتبہ: خواجہ شوق حیدرآباد ۱۹۶۵ء
۳. فردوس صفی (مجموعہ کلام) مرتبہ: سید غوث یقین پاکستان ۱۹۶۸ء
۴. گلزار صفی (مجموعہ کلام) مرتبہ: رؤف رحیم حیدرآباد ۱۹۸۷ء
۵. کلام صفی اورنگ آبادی مرتبہ: محمد نورالدین خاں حیدرآباد ۱۹۹۰ء

ب. صفی سے متعلق کتابیں

۱. سوانح عمری صفی اورنگ آبادی مرتبہ محمد نورالدین خاں حیدرآباد ۱۹۶۰ء
۲. تلامذہ صفی مرتبہ محبوب علیخاں اخگر قادری حیدرآباد ۱۹۹۱ء
۳. اصلاحات صفی اورنگ آبادی مرتبہ " " " ۱۹۹۳ء
۴. خمریات صفی " " " " ۱۹۹۵ء
۵. ابجد سے شاذ تک سیاست ۱۹۸۸ء

ج. صفی سے متعلق مضامین کتابوں میں

	عنوان	مضمون نگار		
۱.	محمد بہبود علی صفی اورنگ آبادی	صاحبزادہ میر اشرف الدین علیخاں		۱۹۳۵ء
۲.	صفی اورنگ آبادی	پروفیسر سلمان اطہر جاوید	تنقیدی افکار حیدرآباد	۱۹۷۷ء
۳.	صفی مرحوم کی یادیں	خورشید احمد جامی	تلامذہ صفی	۱۹۹۱ء
۴.	صفی کی اہمیت	پروفیسر سیدہ جعفر	"	"
۵.	تلامذہ صفی	اکبرالدین صدیقی	"	"

۶. صفی اورنگ آبادی کی شاعری	ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ	تلامذہ صفی	۱۹۹۱ء
۷. دبستان صفی	ڈاکٹر اشرف رفیع	"	"
۸. تم ہی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟	خواجہ معین الدین عرفی	"	"
۹. مرتب کے نام	عبدالحفیظ محفوظ	"	"
۱۰. سخن ہائے گفتنی	محبوب علیخاں اخگر	"	"

۵. صفی سے متعلق مضامین رسائل میں

۱. صفی اورنگ آبادی	غلام دستگیر	سٹی کالج میگزین	فروری ۱۹۵۵ء
۲. صفی میری نظر میں	یوسف کمال	"	"
۳. اردو شاعری میں فن پرستی کا میلان	ڈاکٹر حفیظ	ماہنامہ صبا	جولائی ۱۹۵۵ء
۴. صفی اورنگ آبادی	صدیقی	ماہنامہ نورس غزل نمبر	۱۹۵۸ء
۵. "	ڈاکٹر سیدہ جعفر	"	"
۶. قلندر صفت شاعر	ڈاکٹر عقیل ہاشمی	"	"
۷. حضرت صفی	شریف ایم۔ اے	"	"
۸. صفی ایک صاحب طرز شاعر	سلیمان اطہر جاوید	"	"
۹. صفی کو میں نے دیکھا بھی سنا بھی	سعادت نظیر	"	"
۱۰. صفی اورنگ آبادی	سید مرتضیٰ حسین صوفی	اردو کالج میگزین	۶۴ء
۱۱. حرفِ آغاز	اصلاحات صفی	محبوب علیخاں اخگر اصلاح ما صفی	۱۹۹۳ء
۱۲. جائے استاد خالی است	پروفیسر یوسف سرمست	"	"
۱۳. اصلاحِ سخن اور صفی اورنگ آبادی	پروفیسر یعقوب عمر	"	"
۱۴. حرفے چند	گیان چند جین	"	"
۱۵. صفی اورنگ آبادی کی استادی	نور الدین خاں	"	"
۱۶. فانوس اصلاح	سید نظیر علی عدیل	"	"
۱۷. صفی بہ حیثیت استاد سخن	ڈاکٹر محمد علی اثر	"	"

عنوان	مصنف	ماخذ
۱۸. عرضِ مرتب	حمید الدین شاہد صاحب	یادگار صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء
۱۹. پیامات	گوپال راؤ اکبوٹے والدہ خاتم صفی. ڈاکٹر زور بت جعفر امجد ڈاکٹر یوسف حسین خاں. پنڈت جذب عالم پوری	" "
۲۰. خطوط حضرت صفی بنام ابوالفیض فیاض صاحب		" "
۲۱. آبحیات کا آخری شاعر	سید عبد الحفیظ صاحب	" "
۲۲. کلام صفی کی چند خصوصیتیں	نصیر الدین ہاشمی صاحب	" "
۲۳. خطبۂ استقبالیہ یوم صفی ۱۹۵۵ء	عبد القادر سروری صاحب	" "
۲۴. صفی کو جیسا دیکھا جیسا پایا	سید محمد صاحب	" "
۲۵. صفی کی عشقیہ شاعری	محمد منظور احمد صاحب	" "
۲۶. محاورات میں صفی کا مقام	ابو محمد سید علی سریر صاحب	" "
۲۷. صفی اور ان کی شاعری	منیر صفوی صاحب	" "
۲۸. صفی کے شاگرد	نذیر علی عدیل	" "
۲۹. صفی پر ایک سرسری نظر	خواجہ حمید الدین شاہد	" "
۳۰. صفی کی شاعری	ہاشم حسن سعید	" "
۳۱. صفی کی خانگی زندگی	صابر عارف ذکی	" "
۳۲. نظمیں :-	خورشید احمد جامی، محمد غلام محبوب خاں مسلم خواجہ عبد العلی صدیقی، بشیر النسا بیگم بشیر سعادت نظیر، مرزا رونق قادری، غلام علی حاوی	" "
۳۳. صفی اورنگ آبادی	مرتضیٰ حسین صوفی	اردو کا مع میگزین جنوری ۱۹۶۴ء

(سلسلہ صفحہ ۸۳ پر ملاحظہ کیجئے)

۵. صفی سے متعلق مضامین اخباروں میں۔

۱. ہائے صفی	تمکین کاظمی	سیاست حیدرآباد	۲۸ر مارچ	۱۹۵۴ء
۲. صفی اورنگ آبادی	مصطفیٰ علی بیگ	ہمارا اقدام	۱۸ر مئی	رر
۳. حضرت صفی کی شاعری	سید نظیر علی عدیل	انقلاب بمبئی	جولائی	رر
۴. حضرت صفی کیا تھے	خواجہ شوق		اگسٹ	رر

خالی خولی مجھ سے لڑتا ہے ستمگر کیا کہوں
اے صفی میں نے نکالا منہ سے الا اللہ بھی
(صفی)

اے صفی اب تو نہیں اپنی وہ آدک جاوک
گاہے ماہے یہیں مل لیتے ہیں آتے جاتے
"

غلو ہے اے صفی میری غزل میں
مگر اتنا کہ آٹے میں نمک ہے
رر

دوست بیمار ہے تو کیا پوچھوں
دشمنوں کا مزاج کیسا ہے
"

حسن سے خالی صفی کی شاعری
عیب سے خالی خدا کی ذات ہے
رر

مرتب کی کتابوں پر مشاہیرِ اردو کے تاثرات

تلامذۂ صفی

جناب محبوب علی خاں اخگر صاحب صفی کے شاگردوں کا تذکرہ مرتب فرما رہے ہیں بہتر ہوگا کہ تلامذہ کے اصلاح شدہ اشعار بھی پیش کریں خواہ وہ دو دو چار چار اشعار ہی سہی۔ اس سے مبتدی اور نوجوان شعرا استفادہ کریں گے اور عام قاری بھی فیض یاب ہو سکیں گے۔

محمد اکبر الدین صدیقی

چار قندیل آغا پورہ حیدرآباد۔ ——— ریڈر ریٹائرڈ عثمانیہ یونیورسٹی

مجھے خوشی ہے کہ جناب محبوب علی خاں اخگر تلمیذِ جعفر حاوی یہ کام بہ حسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

پھول بن ۱/۱۲۔۲۔۱۲ ——— **پروفیسر رفیعہ سلطانہ**

جناب محبوب علی خاں اخگر نے شاگردانِ صفی کے اشعار ہم تک پہنچائے اور میں جناب اخگر کے چند شعر بطور نمونہ نذرِ قارئین کرنا چاہتا ہوں جن کے پڑھنے سے اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ کس طرح حضرت داغ، حضرت صفی اورنگ آبادی کا رنگ چھنتا ہوا جناب حاوی کے ذریعہ جناب محبوب علی خاں اخگر تک پہنچا ہے۔ **رؤف رحیم ایم اے**

حیدرآباد کی تاریخ کے حالیہ آگ و خون کے ہولناک فسادات اور قتل و غارت گری کے مجنونانہ تباہ کن واقعات (جب کہ یہ شہر بھاگیہ نگر کرفیو نگر بن گیا تھا) کے دوران ان کے کام کرنے کا جذبہ سرد نہیں ہوا بلکہ انھوں نے کرفیو کی چھوٹ کے وقفے میں بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ بہرحال اخگر صاحب نے اپنی آتشِ شوق کو ٹھنڈی ہونے نہیں دیا۔ اس ناچیز طالب علم کی محدود معلومات میں شاید ہی کوئی ایسا تذکرہ مرتب کیا گیا ہو جس میں ایک ہی مکتبِ سخن کے اتنے کثیر شاگردوں کا ذکر بہ یک وقت پایا جائے جس کے لیے سرزمینِ دکن جو صدیوں سے علوم و فنون کا گہوارہ رہی ہے، جتنا بھی ناز کرے کم ہے! دعا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس کتاب کو شرفِ قبولیت سے نوازے! **خواجہ معین الدین عزمی** (کنساس امریکہ)

برادرم محبوب علی خاں اخگر جنھوں نے صفی اسکول کو ثباتِ دوام دینے کا بیڑہ اٹھایا ہے جن کی کتاب "تلامذۂ صفی" نے ادبی دنیا میں ایک نئی روشنی پھیلائی ہے۔

خورشید جنیدی
مغلپورہ حیدرآباد

ایک ایسے وقت میں جب کہ دیس کا کونہ کونہ آگ، خون، قتل و غارت گری سے معمور ہے۔ شعر و شاعری، ادب و ادیب کے بارے میں لکھنا پڑھنا سوچنا ایک ایسی انفرادیت ہے جو کم ہی لوگوں میں پائی جاتی ہے۔
بہر حال وقت، محنت، دولت و صلاحیت کو داؤ پر لگا کر آپ نے "تلامذۂ صفی" کی صورت میں ادب و شعر کی محفل سجائی اور بہت سے بھولے بسرے شاعروں کی یاد تازہ کردی، یہ کام دنیائے ادب اور خصوصاً حیدرآباد کے مکتبِ صفی کی دنیا میں ایک مینار کی حیثیت کا حامل ہے۔ اپنے آپ عاید کردہ ایک فریضہ سے بہر حال آپ نے سبکدوشی حاصل کرلی!

سید عبدالحفیظ محفوظ
بشیر باغ۔ حیدرآباد

۶ نومبر
سنہ ۱۹۹۰ء

"تلامذۂ صفی کی چھان بین کی پیچیدہ مہم محبوب علی خاں اخگر قادری نے اُٹھائی۔ اخگر صفی کے ایک تلمیذ ارشد غلام علی حاوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ حاوی مرحوم سے مجھے نیاز حاصل تھا۔ فنِ سُخن میں نہایت نکتہ رس اور دقیقہ سنج تھے۔ شعر کمالِ احتیاط سے کہتے تھے۔ استادی رقتِ نظر اور احتیاط اخگر کی شاعری میں کہاں تک آئی اس گفتگو کا یہ موقعہ نہیں۔ تاہم اخگر کی تلاش و تحقیق میں حاوی کا حزم و احتیاط ضرور کارفرما ہے۔
تلامذۂ صفی اور کرم نامہ سب کے سب ایک ساتھ نازل ہوئے۔ ورق گردانی کی۔ بہت دل خوش ہوا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ حضرت حاوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ کیا کہنا۔ جناب حاوی صاحب سے مجھے نیاز حاصل تھا۔ مجھ پر بڑی شفقت تھی۔ ان کے تعلق سے میرے احساسات ہمیشہ قدر و احترام میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

محمد ضیاء الدین احمد شکیب
(لندن)

۷ جولائی سنہ ۱۹۹۱ء

محبوب علی خاں اخگر قادری نے تلامذۂ صفی اورنگ آبادی شائع کیا ہے اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس دشوار گزار مرحلہ کو طے کیا اور نہایت لگن محنت، تلاش و تحقیق کے بعد صفی کے پرستاروں کو یہ تحفہ دیا۔

پروفیسر سلیمان اطہر جاوید
(تروپتی)

منصف ۸ر ڈسمبر ۹۱ء

صفی اورنگ آبادی کے شاگردوں کا یہ بڑا معلومات آفریں تذکرہ ہے جسے محبوب علی خاں اخگر نے مرتب کیا ہے۔ ان کا بلاواسطہ تعلق حضرت صفی سے بڑا گہرا ہے۔ وہ صفی مرحوم کے عزیز ترین اور قابل ترین شاگرد غلام علی حاوی کے شاگرد ہیں۔

عزیز قیسی
(بمبئی)

اردو بلٹز ۲۵ر اپریل ۹۲ء

محبوب علی خاں اخگر نے صفی اورنگ آبادی کے شاگردوں کی ادبی تاریخ کو اپنی کتاب تلامذۂ صفی میں بند کر لیا ہے۔ جسے مستقبل کے محقق اور نقاد نہ صرف کھول کر پڑھیں گے بلکہ ادب کی تاریخ مرتب کرتے وقت صفی اور ان کے شاگردوں کے کارناموں کو اہمیت کے حامل خصوصیات کا درجہ دیں گے۔

شاہینہ ثروت
مولانا آزاد کالج اورنگ آباد
اورنگ آباد ٹائمز

۲۶ر جولائی ۹۲ء

"تلامذۂ صفی اورنگ آبادی" ایک اچھی علمی خدمت ہے۔ حیدر آباد، جس کو میں شہرِ علم شہرِ تصوف اور شہرِ تہذیب کہتا ہوں) کی علمی اور ادبی تاریخ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ پہلے فرداً فرداً ادیبوں اور شاعروں کی خدمات کا اعتراف کیا جائے۔ مجھے خوشی ہے کہ محبوب علی خاں اخگر صاحب نے یہ کارِ خیر انجام دیا ہے۔ اور تلامذۂ صفی کے بارے میں اپنی معلومات کو یکجا کر دیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ اس کتاب سے صفی شناسی اور حیدر آباد شناسی کی طرف پیش رفت ہوگی۔

پروفیسر عنوان چشتی
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

۳ر سپٹمبر
۱۹۹۲ء

تلامذۂ صفی اورنگ آبادی ایک نادر روزگار کتاب ہے۔ ایک ہی سخنور کے اتنی بڑی تعداد میں شاگردوں کے حالات اور نمونۂ کلام کا بہم پہنچانا کوئی معمولی بات نہیں۔ محبوب علی خاں اخگرؔ کی ہمت مردانہ کی داد دینی چاہیئے کہ انھوں نے وظیفہ حاصل کرنے کے بعد اس کام کا بیڑہ اُٹھایا۔

صفی کے ۱۵۷ مُستند شاگردوں میں ۸۶ کے حالات زندگی اور نمونۂ کلام کی فراہمی کے ساتھ ساتھ انھوں نے کم از کم ۶۳ شاگردوں کی تصویریں بھی اِس کتاب کے ساتھ زندہ و جاوید بنادی ہیں۔

پروفیسر یعقوب عُمر
صدر شعبۂ فارسی نظام کالج حیدرآباد

ماہنامہ آندھرا پردیش
جنوری ۹۳ء

اخگرؔ قادری صاحب نے بڑی عرق ریزی اور جستجو کے ذریعہ صفی اورنگ آبادی کے ۱۵۷ تلامذہ کی فہرست تیار کی، ۸۶ شاگردوں کے حالاتِ زندگی اور نمونۂ کلام کو یکجا کیا اور ۶۳ تلامذہ کی تصویریں حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ مرحوم شعراء کی تاریخ ولادت اور تاریخِ وفات کے حصول کے لیے انھیں ان کی قبور کے کتبوں تک بھی پہنچنا پڑا۔ ان کی ساری کد و کاوش اور اَن تھک کوششوں کا ثمرہ "تلامذۂ صفی اورنگ آبادی" کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

محبوب علی خاں اخگرؔ قادری قابلِ مُبارک باد ہیں کہ انھوں نے ایک صبر آزما اور ناقابلِ تسخیر مہم کو بڑی حد تک کامیابی کے ساتھ سر کر کے "تلامذۂ صفی کے نام اور کام کو جو دستبردِ زمانہ سے معدوم ہوتے جارہے تھے، موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کرلیا۔

ڈاکٹر محمد علی اثر
ہماری زبان دہلی

۸ر فروری
۱۹۹۳ء

زیرِ تبصرہ کتاب کے مرتب محبوب علی خاں اخگرؔ قادری نے حضرت صفی کے

چار سو شاگردوں میں سے ۸۶ شاگردوں کا ذکر کیا ہے۔ اور کتاب کے صفحہ ۲۴۰ پر حضرت صفی کے اُن تلامذہ کی فہرست بھی دے دی ہے جو بقیدِ حیات ہیں۔ یہ کتاب تذکرہ نگاری کے باب میں ایک اضافہ ہے جس کے مطالعہ سے صفی اورنگ آبادی اور اُن کے تلامذہ کی شاعری ہی سے نہیں بلکہ اس دور کی قدروں سے بھی قاری آگاہ ہو سکتا ہے۔

اکتوبر ۱۹۹۲ء

پروانہ ردولوی
ماہنامہ ایوانِ اُردو دہلی

جناب محبوب علی خاں اخگر قادری کا یہ اقدام قابلِ ستائش ہے کہ انہوں نے "کلام زندہ" والے اس مرحوم شاعر کے حقیقی شاگردوں کی فہرست مرتب کر کے تلامذہ صفی اورنگ آبادی کے زیرِ عنوان کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب میں ۸۶ تلامذہ کا ذکر ہے، ان میں بہت سے مرحوم ہو چکے اور کچھ بقیدِ حیات ہیں۔

روزنامہ رہنمائے دکن
۱۲ر فروری ۱۹۹۳ء

حُسینی جاوید

محبوب علی خاں اخگر نے اسے مکمل دستاویز بنانے کی پوری سعی کی ہے تلامذہ کی تاریخِ پیدائش اور تاریخِ وفات بھی جہاں جہاں ملی درج کی ہے۔ ان کے حالاتِ زندگی اور کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔ جگہ جگہ صفی سے متعلق صفی کے بارے میں اِنتخاب کلامِ صفی صفی کے ضرب الامثال، منتخب اشعارِ صفی درج کیے گئے ہیں۔ تلامذہ کی تصاویر بھی ہیں۔ مضامین پُر معنی ہیں۔ گہرائی میں جاکر لکھے گئے ہیں معلوماتی ہیں۔ مرتب نے اپنے دادا اُستاد اور استاد کی یاد میں ایک خاصہ بڑا کارنامہ سر انجام دیا ہے۔

آج کل نئی دہلی مئی ۹۳ء

رام لعل نابھوی، نابھا
(پنجاب)

خیالاتِ حاوی

"خیالاتِ حاوی" کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ نے نہایت گرانقدر کام کیا ہے۔ یہ جان کر مزید مسرت ہوئی کہ "اصلاحاتِ صفی" زیرِ طباعت ہے۔ صفی کو اردو شاعری میں اُن کا مقام ملنا چاہیے۔ اور اس کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ یقین ہے آپ کی مساعی بار آور ہوں گی۔

۱۷ر ستمبر ۹۲ء پروفیسر سُلیمان اطہر جاوید (تروپتی)

یہ ایک شعری مجموعہ ہے۔ شاعر ہیں مولوی غلام علی حاوی مرحوم جانشین حضرت صفی اورنگ آبادی۔ حاوی صاحب ۲۷ر جمادی الاخر ۱۳۱۷ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۵ر ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ کو بعمر ۷۱ سال مالک حقیقی سے جا ملے۔ اس مجموعہ کو مرتب کیا ہے ان کے شاگرد محبوب علی خاں اخگر قادری نے اور مدد فرمائی ہے حاوی صاحب کے فرزند محمد یحییٰ خالد نے جو کینیڈا میں مقیم ہیں یہ دونوں اصحاب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ بزرگوں کو یاد رکھنا اور ان کی یاد قائم کرنا عزیزوں کا فرض ہے۔ کتاب تصاویر سے مزین ہے۔ کچھ مضامین ہیں حاوی صاحب کی شکل وشباہت لباس، عادات، مطالعہ، ان کا فارغ الاصلاح ہونا، ان کی غزل، رُباعی، قصیدہ، مثنوی نظم، تاریخ گوئی، عربی، فارسی، اور علوم سے واقفیت، فن خطاطی، علم عروض، ان کی شادی اولاد، دیوان حاوی کا گم ہونا، پھر ملنا وغیرہ کا ذکر تو ہے ہی، ان کے کلام کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ تجزیہ کرنے والے متقدر نقادانِ فن ہیں۔

رام لال نابھوی
(نابھا پنجاب)

یحییٰ خالد نے اخگر صاحب سے خواہش کی کہ والد کا مجموعہ کلام وہاں سے حاصل کر کے ترتیب و اشاعت کی ذمہ داری قبول کریں۔ یہ اہم ترین فریضہ ان جیسے مستعد فعال، حرکیاتی اور وضعی

شخصیت کے علاوہ کسی اور کے بس کا نہیں تھا۔ ایسے موقعوں پر جب اللہ کسی کے نام اور کام کو زندہ و باقی رکھنا چاہتا ہے تو کسی اہلِ خرد کو جنوں آشنا کر دیتا ہے اور وہ کام کی تکمیل کا بیڑہ اپنے سر لے کر علمی اور ادبی یادگار چھوڑ جاتے ہیں۔ حضرت حاویؔ کے شاگرد رشید اخگرؔ صاحب اور حاویؔ صاحب کے فرزندِ ارجمند محمد یحییٰ خالد نے یہی تو کیا! ایک نے اپنے والد کے علمی ورثہ کی اشاعت و حفاظت کے لیے مالی ذمہ داری کا حق ادا کیا تو دوسرے نے اپنے شفیق استاد کے شعری سرمایہ کی ترتیب و تدوین کے علمی کام اور کتابت و طباعت کے سارے عملی مراحل طے کر کے ایک سچے ادب شناس اور مخلص شاگرد ہونے کا بیّن ثبوت دیا۔ ہر دو کی یہ مخلصانہ اور فرزندانہ خدمات ہر اعتبار سے لائقِ ستائش اور قابلِ مبارکباد ہے کہ انھوں نے ان قیمتی اوراق کو برگِ خزاں رسیدہ بن جانے سے محفوظ کر لیا۔

خواجہ معین الدین عزمی (کنساس اسٹیٹ۔ ممالک متحدہ امریکہ)

طباعت و اشاعت کے سلسلے میں جناب اخگرؔ کا انتخاب نہایت موزوں ثابت ہوا۔ اخگرؔ شاعری کے سوا اردو ادب کے خدمت گزاروں میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں موصوف کی مرتبہ کتابیں تلامذۂ صفیؔ اورنگ آبادی و شمعِ فروزاں اور تاریخ و ادب مصنفہ عمر خالدی و محمد نورالدین خاں صاحب کی طباعت آپ کی انتظامی صلاحیتوں کا بیّن ثبوت ہے بہر حال علامہ حاویؔ کے فرزندِ حقیقی اور فرزندِ معنوی دونوں نے اپنا اپنا حق ادا کیا چنانچہ ان دونوں کی کوششوں کا مظہر "خیالاتِ حاویؔ" کی صورت میں موجود ہے۔

سید عبدالحفیظ محفوظ بشیر باغ

یہ میرے لیے باعثِ سعادت اور والدین کی اخروی خوشنودی کا سبب ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے مجھے "خیالاتِ حاویؔ" کو اپنے ذاتی صرفے سے شائع کرنے کا موقع عطا فرمایا۔

اگر عم محترم جناب محبوب علی خاں اخگرؔ اس ذمہ داری کو قبول نہ فرماتے تو اس مجموعۂ کلام کے زیورِ طبع سے آراستہ ہونے کے امکانات موہوم ہو جاتے اور شعر و ادب کی دنیا مکتب

صفی کے بالغ نظر، ماہر عروض داں اور وسیع معلومات رکھنے والے دکن کے اہلِ زبان، بلند فکر سخنور کے "خیالاتِ حاوی" سے محروم رہتی! فی الجملہ یہ کہ میرا دلی ہدیۂ تشکر ان کی نذر ہے جن کے لیے میرے محدود دائرہ علم میں لفظوں کا کال ہے۔

اونٹوریو۔ کینیڈا

محمد یحییٰ خالد
ابنِ حاوی

حاوی کے شاگرد، جناب محبوب علی خاں اخگر نے حضرت حاوی کا منتخب کلام "خیالاتِ حاوی" کے عنوان سے مرتب کر کے اردو والوں کو سرزمینِ دکن کے ایک جوہرِ قابل سے متعارف کروایا ہے۔ ان کے اس جذبۂ عقیدت مندی کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

پروفیسر اشرف رفیع
(صدر شعبۂ اردو۔ عثمانیہ یونیورسٹی)

حضرت حاوی کے فرزند محمد یحییٰ خالد نے جو اس وقت کینیڈا میں مقیم ہیں اس طرف توجہ کی اور اپنے والد مرحوم کے مجموعہ کلام "خیالاتِ حاوی" کی طباعت و اشاعت میں سرمایہ لگا کر اس کو منظرِ عام پر لانے کا اہتمام کیا۔ اس مجموعہ کلام کے دیگر لوازمات یعنی اس کی ترتیب و تزئین میں ان کے تلمیذ و جانشین جناب محبوب علی خاں اخگر نے پوری تگ و دو کی، اس طرح ہر دو اصحاب لائقِ ستائش ہیں۔

بیت النظیر مغلپورہ۔

نظیر علی عدیل

مضامین غیب کے لکھتے ہو حاوی
نہ ہو جائے کہیں دیوان غائب
(حاوی)

اصلاحاتِ صفی اورنگ آبادی

جناب محبوب علی خاں قادری اخگرؔ نے پہلا ادبی کارنامہ یہ انجام دیا کہ حضرت صفیؔ کے (چھیاسی) ۸۶ شاگردوں کا محققانہ جامع تذکرہ مرتب کر کے ۱۹۹۱ء میں بڑے آب و تاب سے "تلامذہ صفی اورنگ آبادی" کے نام سے شائع کیا جسے اصحابِ ذوق نے قدر و منزلت سے دیکھا اور پذیرائی کی۔ ایک منزل سے دوسری منزل پر آکر سستانے کی بجائے ان کے ذوقِ علم اور جہدِ مسلسل کا ایک اور کرشمہ "اصلاحاتِ صفی" کے روپ میں چند مہینے بعد ہی جلوہ آرا ہوا سچ تو یہ ہے کہ جو کام کسی ادارہ یا انجمن نے نہیں کیا، پیکرِ عمل جناب اخگرؔ نے تنہا کر دکھایا۔

جناب اخگرؔ نے بہت بڑی ادبی خدمت کی ہے۔ کسی مالی تعاون سے بے نیاز اور فکرِ سود و زیاں سے بے پروا جناب اخگرؔ سچی لگن اور جستجو کے پیہم سے جو علمی کام انجام دے رہے ہیں وہ لائقِ تحسین و ستائش ہے۔ ان کا کام ان کے نام کو یقیناً زندہ رکھے گا۔

۲۰ر سپٹمبر ۱۹۹۲ء
(دیوڑھی نواب اشرف جنگ فیاحی)

محمد نور الدین خان
(صدر ادبستان دکن)

اخگرؔ قادری صاحب نے روزنامہ منصف کے ادبی ایڈیشن میں ۱۲ قسطوں میں صفیؔ کی اصلاحیں شائع کیں اور اب انہوں نے اصلاحاتِ صفی کے ایک وافر ذخیرے کو کتابی صورت میں شائع کر کے نہ صرف انھیں ضائع ہونے سے بچا لیا ہے بلکہ قارئین اور شعرا کے ایک وسیع حلقے کو ان اصلاحوں سے استفادہ کرنے کا موقع بھی عطا کیا ہے۔ امید کہ اردو کے ادبی اور علمی حلقوں میں اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

"کاشانۂ اثر"
حیدرآباد

ڈاکٹر محمد علی اثر
ریڈر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ

اخگر صاحب قابل مبارکباد ہیں جو صفی کے کام کو نہ صرف محفوظ کر رہے ہیں بلکہ شعر و ادب کی ایک اہم خدمت انجام دے رہے ہیں. جو اپنی نوعیت کا بالکل اچھوتا کام ہے۔ جس کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

"کنعان" روڈ ۱۲ بنجارہ ہلز حیدرآباد

ڈاکٹر یوسف سرمست
(پروفیسر صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی)

اخگر صاحب نے انتہائی تگ و دو اور تلاش و جستجو سے معلومات فراہم کیں اور اسے کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے آفریں باد بریں ہمت مردانہ او

کوچۂ نسیم
حیدرآباد

پروفیسر یعقوب عمر
(صدر شعبۂ فارسی نظام کالج)

جناب محبوب علی خاں اخگر قادری حیدرآباد کے باشندے ہیں. تحقیق کے آدمی ہیں۔ میں ۱۹۹۰ء تک حیدرآباد میں رہا افسوس کہ کبھی ان سے ملنے کا موقع نہ ملا۔ اب جب کہ میں لکھنؤ منتقل ہوگیا ہوں، انھوں نے اپنا بیش بہا مطبوعہ کارنامہ "تلامذۂ صفی اورنگ آبادی" اور زیرِ طبع کام اصلاحاتِ صفی کے کچھ اجزاء مجھے عنایت کئے انھیں دیکھ کر احساس ہوا کہ کاش حیدرآباد میں کبھی ان سے یاد اللہ ہوگئی ہوتی۔

اخگر قادری صاحب نے بہت دوڑ دھوپ، عرق ریزی و دیدہ ریزی کرکے تلامذۂ صفی اورنگ آبادی مرتب کی. میں ان کے اس کام سے خوش ہوں۔ اخگر صاحب اصلاحاتِ صفی اور مکاتیبِ صفی بھی مرتب کر چکے ہیں. صفی اورنگ آبادی کی اصلاحوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ استادِ سخن تھے۔ اخگر صاحب نے ان کی اصلاحوں کو اکٹھا کرکے ان کی تدوین کی اس سے بہتوں کا بھلا ہوگا۔ زبان و بیان کی بے مہار آزادی کے دور میں اس قسم کی کتاب کی افادیت "عیاں راچہ بیاں" کی مصداق ہے. میں امید کرتا ہوں کہ اہلِ سخن اور اہلِ نقد اس مجموعہ کا مطالعہ کرکے مستفیض ہوں گے۔

لکھنؤ ۷ ستمبر ۹۲ء

پروفیسر گیان چند جین

محبوب علی خاں اخگر نے صفی اورنگ آبادی کی اصلاحوں کو محنت، لگن اور اخلاص سے جمع کیا ہے۔ یہ کام اپنی جگہ ایک اہم علمی خدمت ہے۔ جو دیر تک اور دُور تک طالبانِ فن کی راہ میں اُجالا کرتی رہے گی۔ میں اخگر صاحب کے اس علمی کام کا خیر مقدم کرتا ہوں۔
پروفیسر عنوان چشتی

۳۔۹۔۹۳ء ——— (ڈین آف فیکلٹی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

آپ کی عنایت کردہ کتاب "اصلاحاتِ صفی" ملی۔ تہہ دل سے مشکور ہوں۔ میں نے ورق گردانی کی ہے۔ اصلاحات برجستہ ہیں۔ افسوس استادی و شاگردی کی روایت ہی ختم ہوگئی ہے۔ کم از کم غزل میں تو اس روایت کی تجدید کی ضرورت ہے۔ ص۲۴، ص۲۵ پر آپ نے اساتذہ کے کلام پر صفی کی جو اصلاحیں درج کی ہیں وہ نرالی دریافت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تمام صورتوں میں صفی کی اصلاح سے شعر بہتر ہوگیا ہے۔ لیکن کوئی چاہے تو غالب، میر اور دوسرے شعرا کے اشعار پر بھی اصلاح کرسکتا ہے۔ بہت سے مصرعوں میں بہتری کی گنجائش ہے۔

لکھنؤ ۲۳ر اپریل ۹۳ء ——— پروفیسر گیان چند جین

جناب محبوب حسین جگر جوائنٹ ایڈیٹر روزنامہ سیاست نے اصلاحاتِ صفی کی رسم اجراء انجام دیتے ہوئے کہا کہ "اردو ادب میں اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے جس میں شاگردوں کے کلام اور استاد کی اصلاحوں کو نہایت عرق ریزی سے جمع کیا گیا ہے۔"
محبوب حسین جگر

۲۱/۴/۹۳ء ——— (جوائنٹ ایڈیٹر روزنامہ سیاست)

محبوب علی خاں اخگر صاحب نے عمر کے اس حصے میں جب لوگ ہاتھ پیر توڑ کر (اپنے یا دوسروں کے گوشہ گیر ہو جاتے ہیں، علم و ادب کی خدمت کا ایک بیڑہ اُٹھا لیا ہے اور پے در پے کتابیں مرتب کرکے شائع کرتے چلے جا رہے ہیں۔ صاحب موصوف میں نوجوانوں کی سی عزم و ہمت، حوصلہ اور توانائی ہے۔ پچھلے ۲ ۱/۲ سال کے اندر چھ کتابیں پیش کرچکے ہیں۔ اس دورِ ابتلاء میں ایسے لوگوں کا وجود بسا غنیمت ہے کہ ؎
اِنھیں کے سوزِ عمل سے ہیں اُمتوں کے نظام! مضطر مجاز

محبوب علیخاں اخگر نے صفی پر جو کام کیا ہے اور کر رہے ہیں وہ لائق قدر ہے اردو شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو عموماً اور صفی کے پرستاروں اور شاگردوں کو خصوصاً اخگر کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ سُلیمان اطہر جاوید
(ترپتی یونیورسٹی)

شعلۂ سخن

جناب اخگر نے از راہِ کرم مجھے اپنے اِس مجموعۂ کلام کا مسودہ مطالعہ کے لیے دیا اور مجھے ہر صفحے پر یاد رکھنے کے قابل شعر ملے۔ مجھے یقین ہے کہ شعلۂ سخن کی اشاعت سے اردو شاعری کے عظیم خزانے میں ایک اور باکمال شاعر کے فن کا اضافہ ہوگا۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء نینی تال — سیّد ہاشم علی اختر
(وائس چانسلر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی)

آپ کا حسین و جمیل مجموعۂ کلام "شعلۂ سخن" وصول ہوا۔ دیدہ زیب اور خوش رنگ ٹائیٹل دیکھ کر جی خوش ہوگیا اور آپ کے ذوق کی نفاست اور فنکارانہ افتادِ طبع کا قائل ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ جس کتاب کا حسنِ ظاہری اتنا دلکش ہو اُس کے باطنی حسن کے کیا کہنے۔ — پروفیسر ثاقب انور

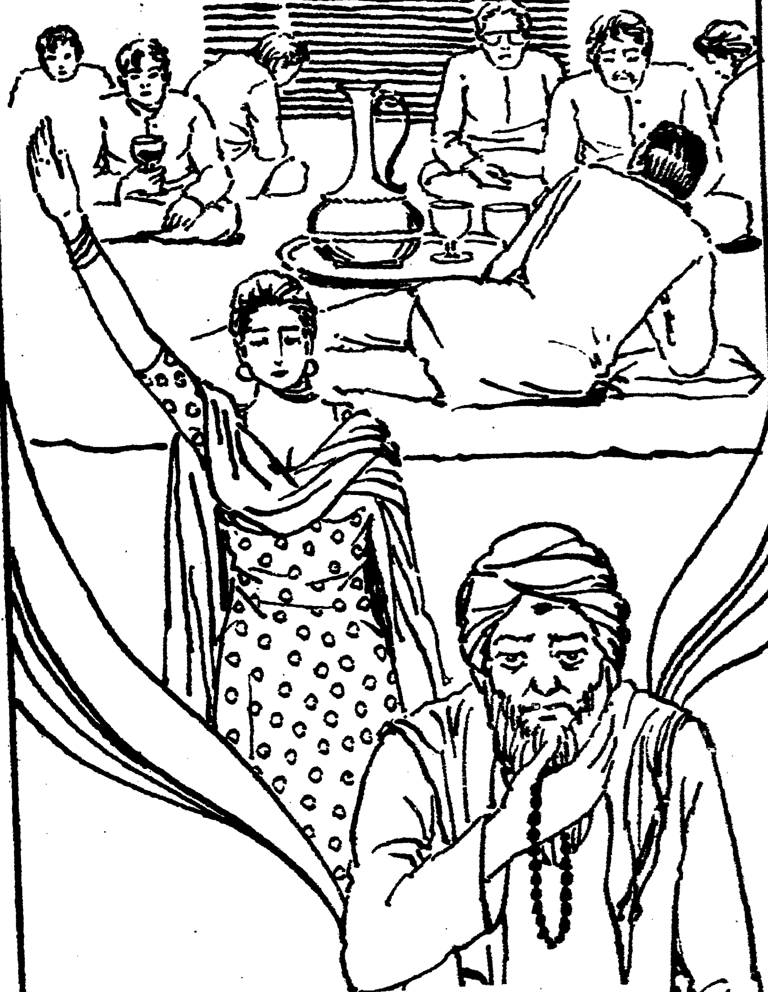
۲۹ مارچ ۱۹۹۴ء — (صدر شعبۂ انگریزی مولانا آزاد کالج)

مکرمی اخگر صاحب تسلیم آپ کی دو بیش بہا نثری تصانیف پہلے سے میرے پاس تھیں، اب شعری تصنیف بھی آپ کی عنایتِ بے غایت سے مل گئی۔ تہہ دل سے ممنون ہوں۔ تنقید نگاری میں نیاز مند ہونے کے باعث میں محاسنِ شعر و افسانہ کے بارے میں رائے نہیں دے پاتا ہوں۔

لکھنؤ ۲۳ فروری ۹۴ء — پروفیسر گیان چند جین

اخگر قادری کا شعری مجموعہ "شعلۂ سخن" پیش نظر ہے۔ اخگر کی شاعری ایک پختہ عمر اور پختہ مشق شاعر کی شاعری ہے۔ (ہماری زبان۔ ۲۲ جولائی ۱۹۹۴ء) — پروفیسر ظہیر احمد صدیقی
(دہلی)

اخگر کی شاعری روایت و جدت کا حسین امتزاج ہے۔ زبان سادہ لیکن بامحاورہ ہے فکر کی بلندی اور جذبات کی گہرائی اخگر کے اکثر اشعار میں نمایاں ہے۔ تجربات اور مشاہدات کی خوشبو سے اس شاعر کی بیشتر شعری تخلیقات معطر ہیں۔ — راشٹریہ سہارا (دہلی)
۱۳ نومبر تا ۱۹ نومبر ۱۹۹۴ء



اب بھی رِندوں میں جام چلتا ہے
شیخ! چلنے کا کام چلتا ہے

(صفیؔ)

KHAMARIYAT-E-SAFI

BY

MAHBOOB ALI KHAN AKHGAR



مُرتب کی دیگر مطبُوعات

★ تلامذہ صفی اورنگ آبادی — ۱۹۹۱ء — Rs, 60/-

(اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی ایوارڈ یافتہ)

★ خیالاتِ سجادی — ۱۹۹۲ء — Rs, 60/-

★ اصلاحاتِ صفی اورنگ آبادی — ۱۹۹۳ء — Rs, 50/-

★ شعلۂ سخن (مجموعہ کلام) — ۱۹۹۴ء — Rs, 50/-

★ محاوراتِ صفی — (زیرِ طبع)

★ صفی کے خطوط — (زیرِ طبع)